Fikr-o-Nasar (Islamabad) 43:4 (2006)

اسلام اور مغرب
(نومسلم دانش ور محمد اسد کی نظر میں)

محمد ارشد*

اسلام اور مغرب، ممتاز نومسلم دانش ور اور مفکر محمد اسد(۱۹۰۰-۱۹۹۲ء) کی تحریروں کا ایک اہم موضوع ہے،(۱) ان کی کوئی بھی تالیف ایسی نہیں ہے جس میں کسی نہ کسی حوالے سے اس موضوع پر اظہار خیال نہ کیا گیا ہو۔ اس سلسلہ میں ان کے خیالات و آراء کو حسب ذیل عنوانات کے تحت بیان کیا جاسکتا ہے:

۱۔ اسلام اور مغرب کے مابین منافرت اور کشمکش کے اسباب و محرکات

۲۔ دین محمدیؐ (Islam) استشراق کے اہداف و مقاصد اور اس کے اثرات و نتائج

۳۔ اسلام بمقابلہ تہذیب مغرب- اسلام اور مغربی تہذیب کے مابین حقیقی و جوہری فرق و امتیاز، نیز مغربی تہذیب سے اخذ و اکتساب کے حدود

۴۔ اسلام اور مغرب -مکالمہ و مفاہمت

۵۔ مغرب میں دعوت اسلام- ضرورت و اہمیت

سطور ذیل میں مذکورہ موضوعات و مسائل سے متعلق محمد اسد کے خیالات کے جائزہ کے علاوہ مغرب میں دعوت اسلام کے ضمن میں ان کی علمی خدمات پر بھی نگاہ ڈالی جائے گی۔

اسلام اور مغرب: باہمی منافرت اور کشمکش کے اسباب و محرکات

محمداسد کی رائے میں اہل مغرب کا دنیا کے تمام مذاہب اور تہذیبوں کے بارے میں رویہ مغایرت اور لاتعلقی و بے اعتنائی کا ہے، جبکہ اسلام کے بارے میں ان کا رویہ شدید نفرت و بے زاری اور حسد و رقابت کا ہے جو جنون کی حد تک بڑھی ہوئی ہے۔ اسلام، اس کی تہذیب اور اس کے پیروؤں کے بارے میں اہل مغرب کی مخاصمت اور ان کے بغض و عناد کے محرکات عقلی نہیں،

☆ مدیر، شعبہ اُردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، علامہ اقبال کیمپس، لاہور

DMHL

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

بلکہ خالصتاً جذباتی و سیاسی نوعیت کے ہیں(ا۔ب) اور ان کی جڑیں بعض تاریخی حوادث و واقعات خصوصاً صلیبی جنگوں (Crusades)میں پیوست ہیں۔[۲] اسد کے خیال میں صلیبی جنگوں[۳] نے دنیائے مغرب کے ذہن و نفسیات اور اس کی تہذیب پر انتہائی دور رس، عمیق اور انمٹ اثرات مرتب کیے۔ صلیبی جنگوں (۱۰۹۵-۱۲۹۱ء) میں یورپ کی متحدہ مسیحی دنیا کو مسلم افواج کے ہاتھوں جو زک پہنچی اس سے عالم مسیحیت کو ایک شدید ذہنی صدمہ (trauma) لاحق ہوا۔ اس ذہنی صدمہ نے اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں اس کے رویے کو ہمیشہ کے لیے ایک متعین جہت ''نفرت، بغض و عناد اور دشمنی و رقابت کی'' دے دی۔ اس دوران میں مغرب ایک نئے مذہبی و ثقافتی شعور اور سیاسی اتحاد سے ہمکنار ہوا۔ مزید براں مغرب میں ایک ایسی تہذیب اور ایک ایسے ادب نے جنم لیا جس کی تخلیق میں اسلام اور مسلمانوں سے نفرت اور دشمنی نے زبردست قوت محرکہ کا کردار ادا کیا۔ چنانچہ اس دور میں مغربی ذہنوں کو اس (اسلام) کی جانب سے متنفر و بدگمان کرنے کی غرض سے اسلام کی تعلیمات کو دانستہ طور پر مسخ کرکے پیش کرنے کی مہم نے زور پکڑا۔ اس مہم نے یورپ کی اقوام کے ذہن و فکر کو شدید طور سے متاثر کیا، بلکہ اس پر انمٹ اثرات مرتب کیے۔[۴] اسد کے الفاظ میں:

> ''صلیبی جنگوں کے زخموں نے یورپ کو مذہبی و ثقافتی شعور اور جذبہ اتحاد سے ہمکنار کیا - لیکن اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی مقدر ہوگیا کہ مستقبل میں جب بھی اسلام کو کسی مغربی کے سامنے پیش کیا جائے تو یہ تلخ تجربات اس دین (اسلام) کو اپنی حقیقی و اصلی صورت میں پیش ہی نہ ہونے دیں- صلیبی جنگوں سے جو نقصان پہنچا وہ محض جنگی ہتھیاروں کے باہمی تصادم تک محدود نہ تھا بلکہ وہ بہت بڑی حد تک ایک ذہنی و فکری نقصان تھا جو اس طور سے واقع ہوا کہ اسلامی تعلیمات کو دانستہ مسخ کرکے مغربی ذہنوں کو اسلام کی جانب سے بدگمان کیا جانے لگا۔ چنانچہ صلیبی جنگوں ہی کے دنوں میں اس مضحکہ خیز تخیّل نے مغربی اذہان میں جاگزیں ہوگیا اور یہ تخیل آج بھی جوں کا توں موجود ہے کہ اسلام بداخلاقی و بدکرداری اور بہیمانہ جارحیت کی تعلیم دیتا ہے۔ اس میں بجائے تزکیہ نفس اور اصلاح باطن کے محض چند ظاہری رسوم کی ادائیگی پر زور دیا جاتا ہے۔ اس دور میں یورپیوں نے پیغمبر اسلامؐ کے اسم محمدؐ کو ازراہ نفرت اور استحقار و استخفاف تبدیل کرکے ماہاؤنڈ (Mahound) کردیا۔[۶] غرض مسلمانوں سے خوف زدہ یورپ نے ہر ہر حوالے سے اسلام، اس کی تہذیب اور اس کی روحانی و سماجی اقدار کے بارے میں دشمنی کا رویہ اختیار کرلیا''۔[۷]

اسد کی رائے میں اسلام سے مغربیوں کی نفرت و بدگمانی اور رقابت و دشمنی جو مذہب کی راہ سے وجود میں آئی اور صلیبی جنگوں کے دوران خوب پروان چڑھی، مابعد دور میں بدستور زندہ و توانا رہی۔ اسی نے اندلس میں مسلمانوں کے خلاف وہاں کی مسیحی رعایا کو برسرپیکار کیا اور مسلمانوں سے جنگ وقتال کے لیے ان کو نئے ولولے سے سرشار کیا۔ چنانچہ اندلس سے مسلمانوں کو بے دخل کرنے کے لئے بڑی سفاکی اور بہیمیت کا مظاہرہ کیا گیا۔ اندلس میں مسلم سلطنت کی تباہی پر تو یورپ خوشی و مسرت سے جھوم اٹھا تھا۔[۸] اسد کی رائے میں اسلام کے بارے میں تعصب و عناد اہل مغرب کی سرشت میں داخل ہوگیا۔[۹] مابعد صدیوں میں جب اہل مغرب کے دل و دماغ مذہب کی گرفت سے آزاد ہونا شروع ہوئے تب بھی اسلام کے بارے میں ان کے رویے میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ اٹھارہویں صدی کا فرانسیسی فلسفی و شاعر والٹیئر (م:۱۷۷۸ء)، جو آزادفکری و روشن خیالی میں بڑی شہرت رکھتا تھا، اسلام دشمنی میں پیش پیش تھا۔ وہ اسلام اور پیغمبرؐ سے حد درجہ دشمنی رکھتا تھا۔[۱۰] یہی نہیں آج جبکہ مذہب کی گرفت سے اہل مغرب کے دل و دماغ بڑی حد تک آزاد ہوچکے ہیں، اسلام کے بارے میں ان کے قدیم تعصّبات پوری شدت و قوت سے موجود ہیں۔مبالغہ نہ ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ آج بھی مغرب کے سر پر صلیبی جنگوں کی پرچھائیں موجود ہیں اور آج بھی اسلام اور مسلمانوں کی جانب اس کے جو خیالات اور جذبات ہیں اس میں اس سخت جان بھوت کے واضح آثار ارتسمامات پائے جاتے ہیں۔ اسد کے الفاظ میں:

> It seems an irony of history that the age-old Western resentment against Islam, which was religious in origin, should still persist subconsciously at a time when religion has lost most of its hold on the imagination of Western man. The shadow of the Crusades hover over the West to this day; and all its reactions towards Islam and the Muslim World bear distinct traces of that diehard ghost.[۱۱]

ترجمہ: ''تاریخ کی یہ بھی ایک ستم ظریفی ہے کہ اسلام سے مغربیوں کی قدیم نفرت مذہب کی راہ سے وجود میں آئی۔ آج جبکہ مذہب کی گرفت سے اہل مغرب کے اذہان بڑی حد تک آزاد ہوچکے تھے۔ اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں اہل مغرب کی عداوت و منافرت کا جذبہ اب بھی غیر شعوری طور پر موجود اور باقی ہے...... مبالغہ نہ ہوگا اگر یہ کہا

جائے کہ آج بھی مغرب کے سر پر صلیبی جنگوں کی پرچھائیں موجود ہے اور آج بھی اسلام اور مسلمانوں کی جانب اس کے جو خیالات اور جذبات ہیں ان میں اسی سخت جان بھوت کی واضح علامات اور نشانیاں پائی جاتی ہیں''۔

محمد اسد کا یہ کہنا کہ قرون وسطیٰ میں اسلام کا دانستہ طور پر ایک غلط سلط اور مسخ شدہ تصور پیش کیا گیا، نیز یہ کہ اہل مغرب تا حال خود کو صلیبی جنگوں کے اثرات سے آزاد نہیں کراسکے ہیں، ایک ایسی حقیقت ہے، جس کو نارمن ڈینیئل جیسا انصاف پسند استشراق کا معروف مغربی نقاد تو ایک طرف،(۱۲) مانٹ گمری واٹ جیسا متعصب مستشرق بھی تسلیم کرنے پر خود کو مجبور پاتا ہے۔(۱۳)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا مغرب کے اسلام کے بارے میں مخاصمانہ و معاندانہ رویے کے اسباب و محرکات صرف اور صرف تاریخی نوعیت کے ہیں؟ کیا صرف تاریخی حادثات و واقعات ہی اسلام کے بارے میں اہل مغرب کے طرز فکر و عمل کو متعین ہمیشہ کے لیے کئے ہوئے ہیں یا پھر اس کا کوئی اور بھی سبب ہے؟ محمد اسد نے اس سلسلہ میں ایک اور سبب کی نشان دہی بھی کی ہے، ان کی رائے میں ایک اہم سبب و محرک وہ نفسیاتی خوف ہے جو اسلام کی قوت و صلاحیت کے بارے میں اہل مغرب کو لاحق ہے۔ دین اسلام اہل مغرب کے تصور حیات و کائنات اور ان کی تہذیبی و سماجی اقدار کو پوری قوت و طاقت سے چیلنج کرتا ہے۔ مسلم دنیا میں اسلام کے احیاء اور مغربی معاشروں میں اسلام کی ترویج و اشاعت اور اس کے استحکام کا لازمی نتیجہ انہیں اپنے تہذیبی و سماجی اور سیاسی و اقتصادی نظام کی تحلیل اور تباہی و بربادی کی صورت میں نظر آتا ہے۔ بایں وجہ آج جبکہ مغرب کی مادیت پرستی کی ماری ہوئی مضطرب و بے چین روحیں روحانی و قلبی سکون اور طمانیت کی تلاش و جستجو میں سرگرداں ہیں اور بسااوقات مختلف مذہبی و روحانی نظاموں کی طرف اندھا دھند لپکتی ہیں، اسلام کے بارے میں ایک توحش محسوس کرتی ہیں۔ اسلام کے برعکس دیگر مشرقی روحانی و مذہبی نظاموں کے بارے میں اہل مغرب کے ہمدردانہ و روادارانہ رویے کا اہم اور بنیادی سبب یہی ہے کہ ان کی طرف سے ان کے تہذیبی و سماجی وجود اور سیاسی واقتصادی نظام کو نقصان پہنچنے کا کوئی امکان یا اندیشہ نہیں پایا جاتا۔(۱۴) اسد نے اہل مغرب کے اسلام کے بارے میں رویے کا موازنہ پیغمبر اسلامؐ کی بعثت، اعلان نبوت اور آپؐ کی دعوت و تعلیمات کے بارے میں کفار مکہ کی ہٹ دھرمی، حسد و رقابت اور مخاصمت سے کیا ہے۔ یعنی جس طرح سے اہل مکہ نے پیغمبرؐ کی دعوت کو اپنے موجودہ مذہبی و سماجی، اقتصادی و سیاسی اور تہذیبی و اخلاقی وجود کے لیے ایک سنگین خطرہ گردانتے ہوئے بڑی سختی اور تندی و تیزی سے اس کو ٹھکرا دیا تھا، بلکہ اس کو مٹانے کے درپے ہوگئے تھے بعینہ حال اس وقت اسلام کے بارے

میں امریکہ و یورپ کا ہے۔ ان کے الفاظ میں:

I sometime wonder because the values of Islam constitute a potential challenge to many western concepts of spiritual and social life.(۱۵) ......In one way or other, all Prophets have challenged the established order of their times; is it therefore, so surprising that almost all of them were persecuted and ridiculed by their kinsfolk? and that the latest of them, Muhammad, is ridiculed in the West to this day?(۱۶)

ترجمہ: ''میں بسا اوقات خیال کرتا ہوں کہ اہل مغرب کی اسلام دشمنی کا سب سے بڑا سبب شاید یہی ہے کہ اسلام کی تعلیمات و اقدار مغرب کے تہذیب و سماجی تصورات و اقدار کو شدید طور سے چیلنج کرتی ہیں...... سب نبیوں نے اپنے اپنے طریقہ پر رائج الوقت نظام کو چیلنج کیا تھا۔ اس لیے اس بات پر کوئی تعجب نہ ہونا چاہیے کہ تقریباً وہ سب ہی اپنی اپنی قوم کے مظالم اور ان کی طرف سے اہانت و استہزاء سے دو چار ہوئے اور یہی وجہ تو ہے کہ پیغمبرِ آخر الزّمان کا نام تو یورپ میں آج تک اہانت و استہزاء کے ساتھ لیا جاتا ہے''۔

اسد نے اسلام سے مغرب کو لاحق جس نفسیاتی خوف اور اندیشوں کا ذکر کیا ہے آرنلڈ جے۔ٹائن بی بھی اس امر کو تسلیم کرتا ہے۔ فلسفہ تاریخ کے اس مغربی عالم کے نزدیک کمیونزم کی طرح اسلام ایک ایسی مغرب مخالف تحریک اور قوت ہے کہ جس کی تاخت کا مقابلہ مادی (جنگی) ہتھیاروں سے ممکن ہی نہیں۔(۱۷) ۱۹۹۰ء کی دہائی کے آغاز سے (افغانستان سے سوویت افواج کی واپسی کے بعد سے) مغرب کے حکمران، پالیسی ساز اور دانش ور سب برملا طور سے اسلام کو ایک خطرہ قرار دینے لگے ہیں۔ وہ اپنی سابق مسلم نوآبادیات میں احیائے اسلام کی تحریکوں کو ان ممالک میں اپنے اثر و نفوذ اور طویل المدت سیاسی و اقتصادی اور تزویراتی مفادات کے لیے، جب کہ مغربی ممالک میں آباد مسلم اقلیتوں خصوصاً مسلم آبادی میں بلند شرح افزائش کو مغربی تہذیب کے وجود و بقا کے لیے خطرہ گردانتے ہیں(۱۸) مزید برآں وہ اس ''مزعومہ خطرہ'' کے انسداد و تدارک کی غرض سے قوت و طاقت اور دھونس کے ہر حربے کے استعمال کو ناگزیر قرار دینے لگے ہیں۔(۱۹) اس ''مزعومہ خطرہ'' کے ازالہ کی غرض سے دنیائے مغرب اور بالخصوص امریکہ کا رویہ انتہائی جارحانہ ہوگیا ہے۔ اہل مغرب کے اس طرز

فکر وعمل سے محمد اسد کے مذکورہ خیال کی تصویب ہوجاتی ہے۔

استشراق: اہداف و مقاصد اور نتائج و اثرات

محمد اسد نے استشراق (Orientalism) کے مبدأ و آغاز، اس کے مقاصد و اہداف، اس کی تکنیک، حیلہ طرازیوں اور اس کے اثرات و نتائج کا بھی جائزہ لیا ہے۔ ان کی رائے میں استشراق کا تانا بانا صلیبی جنگوں کے دور میں تیار ہوا۔ صلیبی جنگوں کے دوران اور ان کے بعد یورپ میں ایک ایسا ادب وجود میں آنا شروع ہوا، جس میں اسلام دشمنی کے جذبات کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے۔ اسد نے اس سلسلہ میں قرون وسطٰی میں یورپ میں وجود میں آنے والی رزمیہ نظم Chanson de Roland، کا بطور خاص ذکر کیا ہے، جو صلیبی جنگوں کے دور میں تصنیف ہوئی تھی۔ جس میں جنوبی فرانس میں ''مسلم وحشیوں'' پر عالم مسیحیت کی فتح و ظفرمندی کی افسانوی داستان بیان کی گئی تھی اور جو فوراً ہی سارے یورپ کا ایک طرح سے قومی ترانہ بن گئی تھی۔(۲۰) ''یہ کوئی اتفاقی امر نہ تھا کہ اس رزمیہ نظم پر ایسے یورپی ادب کی بنیاد پڑی جو سابقہ مقامی ادبیات سے جداگانہ اور ممتاز حیثیت کا حامل ہے، اس لیے کہ اسلام دشمنی تو مغرب کی گھٹی میں پڑ چکی تھی''۔(۲۱)

اسد کی سوچی سمجھی رائے یہ ہے کہ مغرب میں مطالعہ اسلام یعنی استشراق کی روایت کا آغاز خالصتاً منفی مقاصد کے تحت ہوا۔ مسیحی علماء و مبشرین نے اسلام اور عربی زبان و ادب سے واقفیت منفی مقاصد کے تحت پیدا کی۔ پھر اس واقفیت کو اسلام کے عقائد و تعلیمات اس کی تاریخ بالخصوص پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وشخصیت اور اسلامی تہذیب و تمدن کے بارے میں اہل مغرب کے ذہنوں میں غلط فہمیاں پیدا کرنے کی غرض سے ایک حربے کے طور پر استعمال کیا۔(۲۲) اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں مستشرقین کا رویہ مخالفانہ و معاندانہ اور روایتی کینہ پروری پر مبنی ہے جبکہ بدھ مت، ہندومت اور دیگر مذاہب کے متعلق، رواداری اور غیرجانبداری کا ہے۔ وہ ان مذاہب کے متعلق متوازن اور قابل فہم رویہ اختیار کرتے ہیں، لیکن جونہی وہ اسلام کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ان کا ذہنی توازن بگڑ جاتا ہے، اس میں نفرت کے جذبات اور تعصّبات شامل ہوجاتے ہیں۔ چند مستثنیات کے سوا یورپ کے پیشتر مستشرقین اسلام سے متعلق اپنی تحریروں میں غیرعلمی جانبداری کا ارتکاب کرنے لگتے ہیں۔ ان کی تحقیقات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کو گویا علمی اور غیر جانبدار تحقیق کے قابل ہی نہیں سمجھا جاتا بلکہ وہ کوئی ملزم ہے جو منصفین [مغربی مستشرقین] کے کٹہرے میں کھڑا ہے۔ چنانچہ بعض مستشرقین تو وکیل استغاثہ کا کردار ادا کرتے ہوئے اس (اسلام) سے اعتراف جرم کرانے پر بضد

ہیں۔ کچھ دوسرے ایسے وکیل صفائی کا انداز اپناتے ہوئے کہ جسے پوری طرح سے یقین ہے کہ اس کا مؤکل (اسلام) قصور وار اور مجرم ہے، بڑی نیم دلی کے ساتھ اس کا مقدمہ لڑتے اور نیم دلی کے ساتھ اس کی صفائی پیش کرتے ہیں''۔[۲۳] اسد مستشرقین کے طرز تحقیق اور طریق اخذ و ترتیب نتائج بالفاظ دیگر ان کی تحقیقی تکنیک کو ہرگز لائق اعتبار نہیں گردانتے۔ ان کے خیال میں: ''یورپی مستشرقین نے مطالعہ اسلام اور پھر استنباط و استخراج یعنی اخذ و ترتیب نتائج کے لیے جو تکنیک اختیار کی ہے اس سے ان مذہبی عدالتوں، جو قرون وسطیٰ میں کیتھولک کلیساؤں نے اپنے مخالفین کو سزائیں دینے کے لئے قائم کی تھیں، کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔ یہ مستشرقین شاذونادر ہی کھلے ذہن کے ساتھ تاریخی حقائق کی تحقیق و تفتیش کرتے ہیں۔ بلکہ اپنی تحقیقات کا آغاز پہلے سے ایک طے شدہ نتیجے (مفروضے)، جو ان کی متعصّبانہ سوچ کی پیداوار ہوتا ہے، سے کرتے ہیں۔ وہ اپنے پہلے سے طے شدہ متعینہ نتائج کے اثبات و احقاق کے لئے ایسے شواہد اکٹھے کرتے ہیں جو ان کے من پسند نتائج کی تصدیق و تائید کرتے ہوں اور پھر جب من پسند شواہد ملنے ممکن نہ ہوں تو وہ ان کو سیاق و سباق سے الگ کرکے اس طرح سے پیش کرتے ہیں کہ ان کے طے شدہ مؤقف کی توثیق ہو۔ اس تحقیق عمل کے دوران میں وہ اپنی کینہ پروری کے سبب دوسرے فریق (مسلمانوں) کے دلائل اور ان کے پیش کردہ شواہد کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ چنانچہ ان کی اس روش اور طریق کار کے نتیجے میں جو وسیع ذخیرہ ادب وجود میں آیا ہے اس میں ہمیں اسلام اور اس سے نسبت رکھنے والی ہر چیز کی انتہائی مسخ شدہ تصویر دیکھنے کو ملتی ہے''۔[۲۴]

اسد نے مستشرقین کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کے اثرات و نتائج کا جائزہ بھی لیا ہے۔ ان کی رائے میں مستشرقین (قدیم و جدید) کی کاوشوں اور ان کے خیالات و تصورات نے عام مغربی ذہنوں کو مسموم کر دیا ہے۔ چنانچہ ان کی تحریریں مغرب میں اسلام کی دعوت و تبلیغ اور اس کی تفہیم کی راہ میں بڑی رکاوٹ بن گئی ہیں۔ ان مستشرقین کی نگارشات کے زیر اثر عام یورپی و امریکی افراد اسلام کو کسی طور بھی درخور اعتناء نہیں گردانتے ۔ وہ اسلام اور اس کی روحانی اور اخلاقی تعلیمات کو کسی بھی نقطۂ نگاہ سے کچھ زیادہ وقیع اور قابل احترام نہیں سمجھتے نہ وہ اسے عیسائیت اور یہودیت سے موازنہ کے قابل خیال کرتے ہیں۔[۲۵] مستشرقین نے عام یورپی افراد کے ذہنوں کو زہر آلود بنادیا ہے۔ مشرف بہ اسلام ہونے سے قبل محمد اسد خود اپنے ماحول کے زیر اثر اسلام کے بارے میں وہی رویہ رکھتے تھے جو عام مغربیوں کا تھا۔ تاہم اپنے مشرق وسطیٰ کے پہلے سفر (۲۴-۱۹۲۲ء) کے بعد یہ رائے قائم کرنے پر مجبور ہوئے:

..................so many erroneous views about Islam itself were prevalent throughout the West............ My own observations had by now convinced me that the mind of the average Westerner held an utterly distorted image of Islam.[۲۶]

ترجمہ: ''اس سے پہلے (مشرق وسطیٰ کے سفر اور عربی و اسلامی تہذیب و معاشرت کے عمیق مشاہدہ سے پہلے) اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں میرے جو افکار و تأثرات تھے ان کو میں طبعی طور پر مغربی تصور حیات و کائنات (Western world-view) کا نتیجہ سمجھتا تھا۔ میں اپنے شعور و خیال سے ہٹ کر کوئی بات سوچ ہی کیسے سکتا تھا۔ میں بہرحال ایک مغربی نوجوان تھا جس کے رگ و ریشہ میں یہ عقیدہ پیوست ہوتا ہے کہ اسلام اور اس کی تمام تعلیمات کی حیثیت تاریخ انسانی کے ایک رنگین بغلی دروازے سے زیادہ نہیں، اور جو روحانی اور اخلاقی کسی بھی نقطۂ نگاہ سے کچھ زیادہ وقیع اور قابل احترام نہیں۔ اس لیے نہ صرف یہ کہ اس کو اس درجہ پر نہیں رکھا جاسکتا جس کا وہ مستحق ہے، بلکہ اس کو دوسرے مذاہب عیسائیت اور یہودیت سے موازنہ کے قابل بھی نہیں سمجھا جاتا...... ایک عام یورپین کے دماغ میں اسلام کی جو تصویر ہے وہ بالکل مسخ شدہ اور بگڑی ہوئی ہے''۔

۱۹۳۰ء کی دہائی کے نصف اول(۱۹۳۴ء) اور پھر ۱۹۵۰ء کی دہائی کے نصف اول (۱۹۵۴ء) میں استشراق کے بارے میں اسد نے جن خیالات کا اظہار کیا تھا بالفاظ دیگر انہوں نے استشراق کے نقد و احتساب کی جس روایت کا آغاز کیا تھا بعد ازاں یہ عمل ایک اکیڈیمک ڈسپلن کی صورت اختیار کرگیا۔ مغربی مصنف نارمن ڈینیئل اور بالخصوص فلسطینی نژاد امریکی دانش ور ایڈورڈ ڈبلیو سعید (م۲۰۰۳ء) نے اس کو خوب آگے بڑھایا ان دونوں نے مستشرقین کی بدباطنی کا پردہ خوب چاک کیا ہے، ان کے مکر و فریب اور دسیسہ کاریوں کو طشت ازبام کیا ہے، کو بے نقاب کیا ہے اور انہیں اسلام اور مغرب کے مابین کشمکش کو ہوادینے کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔[۲۷-الف] نقد استشراق کے سلسلہ میں محمد اسد کو بلاتردد مذکورہ دونوں مصنفین کا پیش رو قرار دیا جاسکتا ہے۔

تہذیب مغرب بمقابلہ اسلام

محمد اسد نے مغربی تہذیب کا ناقدانہ جائزہ بھی لیا ہے۔ اس کے تشکیلی عناصر و عوامل اور

جوہری خصائص کا تجزیہ کرتے ہوئے اس کے منفی و تاریک پہلوؤں کی نشان دہی کی ہے۔ اسلام اور مغربی تہذیب کے مابین جوہری و حقیقی فرق و امتیاز کو واضح کیا ہے۔(۲۷-ب) مغربی تہذیب کے دیگر تہذیبوں خصوصاً اسلامی تہذیب پر تفوق و بالادستی کے تصور و خیال کی نفی و تردید کرتے ہوئے مسلم ملت کو اس کی تقلید و نقالی کے مضمرات اور نتائج سے آگاہ کیا ہے۔ مزید برآں اس(تہذیب مغرب)سے اخذ و اکتساب کے میدانوں اور شعبوں کی نشان دہی کرتے ہوئے اس کے حدود کا تعین بھی کیا ہے۔ ذیل میں ان امور و مسائل پر محمد اسد کے خیالات کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

محمد اسد کی رائے میں مغربی تہذیب جس کا تانا بانا اور بنیادی ڈھانچہ یونانی و رومی تہذیبوں کے آثاروباقیات پر استوار ہے، کو ان قدیم تہذیبوں کے جملہ بنیادی خصائص خصوصاً مادیت پرستی، مذہبی اور اخلاقی و روحانی اقدار سے اعراض و انکار، زیادہ سے زیادہ مادی قوت کا حصول، اپنے وطن اور قوم کے لئے کمزور اور محکوم اقوام کا استحصال یعنی قومیت پرستی (Nationalism) وغیرہ بہ کمال و تمام منتقل ہوئے ہیں۔(۲۸) چنانچہ جس طرح سے قدیم یونان اور رومن سلطنت کا ذہنی وفکری اور تہذیبی ومعاشرتی ماحول کلی طور پر افادیت پسند اور مذہب بے زار (مخالف) تھا، بعینہ جدید مغرب کا تہذیبی و سماجی ماحول افادیت پسند اور مذہب دشمن ہے۔ جدید مغرب کی فکر اگرچہ مذہب کو ایک سماجی روایت کے طور پر تو برداشت کرتی ہے لیکن وہ آسمانی و الہامی اخلاقیات کا عملی زندگی سے کوئی تعلق روا نہیں رکھتی۔ مغربی تہذیب صاف طور پر خدا کا انکار تو نہیں کرتی لیکن اس کے موجودہ ذہنی وفکری نظام میں خدا کے لئے کوئی جگہ اور ضرورت باقی نہیں رہی- اصولی طور پر مغربی ذہن عملی زندگی سے خدا کو نکال باہر کرنے کی طرف گامزن ہے۔(۲۹)

اسد نے مغربی تہذیب کے بنیادی اجزاء لادینیت (سیکولرازم)، قوم پرستی (نیشنل ازم) اور مادیت و افادیت پرستی (materialism and utilitarianism) کے منفی نتائج ومضمرات کا جائزہ بھی لیا ہے۔ ان کے خیال و رائے میں مغرب نے الہامی رشد و ہدایت کی ضرورت کا سختی سے انکار کرکے خود کو کسی مسلمہ ومستند اخلاقیاتی نظام اور خیر و شر، معروف و منکر اور حق و باطل کے کسی معتبر معیار و میزان اور کسوٹی سے محروم کر لیا ہے، چنانچہ ذاتی مفاد اور ملکی و قومی مصالح کو تقدس کا درجہ حاصل ہوگیا ہے اور اس نے ایک مذہب اور اخلاقی اقدار کی حیثیت حاصل کرلی ہے۔ مغرب نے آرام و آسائش ، دولت اور مادی ترقی کو خدا بنالیا ہے۔(۳۰) قومیت پرستی، جو مغربی تہذیب کا ایک اہم ستون اور جس نے مغرب میں مذہب کادرجہ اختیار حاصل ہے، نے تو حق و راستی اور عدل و انصاف کے اصولوں کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دی ہیں۔ اس نے کمزور و محکوم اقوام کے بے رحمانہ

استحصال کو سند جواز فراہم کی ہے۔[۳۱] غرض بے خدا تہذیب نے انسانیت کو اضطراب و انتشار کے علاوہ ایک انتہائی عمیق اخلاقی بحران سے ہمکنار کیا ہے۔[۳۲] محمد اسد کے نزدیک مغربی تہذیب کا ثمرہ ایک ایسی انسانی نسل کی تخلیق و نمود ہے جس کی اخلاقیات (morality) محض عملی افادیت (practical utility) تک محدود ہے اور جس کے نزدیک نیکی و بدی اور حق و باطل کا معیار محض مادی کامیابیاں ٹھہرا ہے۔ جدید مغربی انسان کی سوچ میں بنیادی ستم یہ ہے کہ وہ مادی اشیاء کے علم (سائنس و ٹیکنالوجی) اور آسائشات کو انسان کی روحانی و اخلاقی ترقی کے متماثل خیال کرنے لگا ہے۔[۳۳] چنانچہ ایک عام مغربی انسان صرف اور صرف ایک ہی ایجابی مذہب سے واقف ہے اور وہ ہے مادی ترقی کی پرستش اور زندگی کو زیادہ سے زیادہ آرام دہ اور پرآسائش بنانا۔ جدید یورپی وامریکی انسان کے ہاں بطن پرستی کے علاوہ زندگی کا کوئی اعلیٰ و ارفع مقصد و غایت باقی ہی نہیں رہا۔[۳۴] مغربی معاشروں میں مسلمہ اخلاقی اقدار اور فضائل و محاسن مثلاً اولاد کے لیے محبت اور اس کے لیے ایثار، احترام والدین سب اپنی اصلیت و اہمیت کھوچکے ہیں۔ خاندانی نظام شکست سے دوچار ہوچکا ہے۔ مزید برآں قدیم جنسی اخلاقیات (sexual morality) تحلیل ہوکر رہ گئی ہے۔ جنسی ضبط و ازدواجی وفاداری جدید مغرب میں تو قصہ پارینہ بن چکی ہے اور جنسی ضبط کی جگہ ایک نئی اخلاقیات، جو انسانی جسم کی لامحدود آزادی یعنی جنسی بے راہ روی کی دعویدار ہے، نے لے لی ہے۔[۳۵]

محمد اسد دنیائے مغرب کو عالم دجّال اور اس کی تہذیب کو دجالی تہذیب سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں جس طرح سے دجال یک رخا یعنی ایک آنکھ کی بصارت سے محروم ہوگا اور پھر اپنی شعبدہ بازیوں اور حیلہ طرازیوں کے سبب ضعیف الاعتقاد افراد کے لیے فتنہ و آزمائش کا موجب ہوگا اور اس طرح کے لوگ اسے خدا سمجھ کر اس کی پرستش میں مبتلا ہوجائیں گے[۳۶] بعینہ حال تہذیب مغرب کا ہے (یعنی یک رخی ہے)۔ اس نے انسانی زندگی کے ایک انتہائی اہم پہلو ''اخلاقی و روحانی پہلو'' کو یکسر نظر انداز کر رکھا ہے۔ چنانچہ وہ انسان کی مادی و جسمانی اور معاشرتی احتیاجات اور اس کی روحانی امنگوں (آدرشوں) کے مابین ہم آہنگی و توازن قائم کرنے میں ناکام رہی ہے۔[۳۷] اس تہذیب نے قدیم مذہبی اخلاقیات سے تو دامن چھڑالیا ہے تاہم کسی معقول اخلاقی نظام کی آفرینش میں بھی ناکام رہی ہے۔ مزید برآں مغربی تہذیب نے اپنی حیرت انگیز ترقیوں، نت نئی ایجادات اور اپنی ظاہری چمک دمک سے کمزور و پس ماندہ مسلمان اقوام کو مسحور و مرعوب اور ان کی نگاہوں کو خیرہ کررکھا ہے۔ چنانچہ عالم اسلام ہے کہ اس کی پرستش میں مبتلا نظر آتا ہے۔ اسد کے نزدیک احادیث و روایات میں دجال کی جو خصوصیات بیان کی گئی ہیں وہ مغربی تہذیب و تمدن پر

پوری طرح سے منطبق ہوتی ہیں۔ ان کے الفاظ میں:

> The world of the franjis [Europeans/Occidentals] has become the world of Dajjal, the Glittering, the Deceptive One. It is "one eyed": that is, it looks upon only one side of life- material progress- and is unaware of its spiritual side. With the help of its mechanical marvels it enables man to see and hear far beyond his natural ability and to cover endless distances at an inconceivable speed. And its material advancement is so powerful and so glittering that the weak in faith are coming to believe that it is a godhead in its own right; but those who have remained conscious of their creater clearly recognize that to worship the Dajjal means to deny God-----Instead of realizing that man's advancement and the progress of science is a bounty from our Lord, more and more people in their folly are beginning to think that it is an end in itself and fit to be worshiped.[۳۸]

اسد نے پرستش دجال (مغربی تہذیب) کے اثرات و نتائج کا بھی جائزہ لیا ہے۔ ان کے خیال میں مغربی انسان خدا اور مذہب سے رشتہ توڑ لینے اور پھر دجال پرستی کے سبب اپنی فطرت مسخ کرچکا ہے۔ زندگی اس کے نزدیک ایک معمہ بن چکی ہے۔ وہ اپنے گردو پیش میں موجود دوسرے انسانوں ہی سے نہیں، بلکہ خود اپنی ذات سے بھی اجنبی وبیگانہ ہوچکا ہے اور انتہائی تنہائی سے دوچار ہے۔ وہ داخلی طمانینت اور مسرت و شادمانی سے ناآشنا و محروم اور ایک انتہائی کرب و اذیت میں مبتلا ہے، جس کا اظہار نت نئی سائنسی و فنی ایجادات و ابداعات کی صورت میں رونما ہورہا ہے۔ کیوں کہ اس (مغربی انسان) نے ہلاکت خیز تنہائی کے احساس کو مٹانے کے لیے خارجی ظواہر میں پناہ ڈھونڈنا چاہی ہے۔ چنانچہ سائنسی علوم و فنون میں ترقی اور دیگر شاندار مادی ترقیاں مغربی انسان کی اخلاقی و روحانی مایوسی (frustration) اور ایک نامعلوم خوف اور شدید عدم تحفظ کے داخلی احساسات کی پیداوار ہیں۔[۳۹] اسد کے خیال میں الہامی رشد و ہدایت اور کسی مسلمہ اخلاقیاتی نظام اقدار سے محروم مغربی تہذیب و تمدن اپنی تمام تر مادی و سائنسی ترقیوں، نت نئی بے شمار ایجادات و اختراعات کے

باوصف انسانیت کو داخلی اطمینان ، حقیقی فلاح اور سعادت و مسرت سے ہرگز ہمکنار نہیں کرسکتی بلکہ روحانی و اخلاقی نصب العین سے محروم مغرب کی سائنس اور ٹیکنالوجی انسانیت کے لیے وبال جان بن چکی ہے۔ اس نے انسانیت کو تباہی و ہلاکت کے گڑھے کے کنارے لاکھڑا کیا ہے۔[۴۰] اسد کے نزدیک مغربی تہذیب خودکشی کرنے کے درپے ہے اور بڑی تیزی سے زوال و بربادی کی طرف گامزن ہے۔ ان کی رائے میں مغربی معاشرہ بحیثیت مجموعی گمراہی و کج روی میں مبتلا ہوچکا ہے۔ چنانچہ اگر وہ اپنی موجودہ روش پر قائم رہا اور اس نے اپنے موجودہ طرز فکر وعمل میں کوئی بنیادی تبدیلی نہ کی اور اس نے اپنا تعلق کسی ماورائی (الہامی) روحانی و اخلاقی نظام سے نہ جوڑا تو اس کی ہلاکت و بربادی ایک یقینی امر ہے۔ محمد اسد کے الفاظ میں:

Western civilization is chaotic and in its innermost self destructive [۴۱]and can there by any doubt that modern Western society, with its loss of all spiritual convictions and of social morality... can there be any doubt that this society has entirely gone astray from the deepest truths of life and now blindly rushes towards self-destruction?[۴۲]. ......As things stands at present, Western civilization is about to expend the last remnats of a moral idealism, subconsciously inherited from its past. Unless it is able to replace those swiftly vanishing remnants by a new, adequate structure of Idealism, it is bound to go to the way of all other worn-out civilizations and to perish in a welter of conflicts, suffering and confusion. And there is no indication as yet that the western world is going to produce out of itself, such a new structure of idealism"[ب-۴۲].

ترجمہ: ''کیا اس امر میں کوئی شک و شبہ باقی رہ جاتا ہے کہ جدید مغربی معاشرہ کلی طور پر روحانی اذعانات (spiritual convictions) اور سماجی و اجتماعی اخلاقیات سے قطعی طور پر تہی دامن ہوچکا ہے۔ اس میں کیا شک ہے کہ مغربی معاشرہ بے راہ روی کا شکار ہے اور زندگی کی ابدی سچائیوں سے بہت دور جا پڑا ہے اور خودکشی و ہلاکت کی طرف بڑی

تیزی سے گامزن ہے۔ اگر مغربی تہذیب اور معاشرہ اپنی اسی ڈگر پر قائم رہا اور اس نے جلد اپنا رشتہ کسی روحانی و مذہبی ضابطۂ حیات اور سماجی اخلاقیات کے نظام سے نہ جوڑا تو دنیا کی دیگر تہذیبوں کی طرح یہ بھی انجام کار تباہی و بربادی سے دو چار ہوکر رہے گا۔ تاہم اس وقت تو دور دور اس کے کوئی آثار نظر نہیں آتے کہ مغربی دنیا از خود کوئی اخلاقی و روحانی نظام وضع کر سکے گی''۔

چنانچہ ان کی رائے میں مغربی اقوام اور ان کی تہذیب و تمدن اور سائنسی علوم و فنون پر قرآن حکیم کے ان الفاظ کا انطباق و اطلاق پوری طرح سے صادق آتا ہے[۴۳]:

مثلهم كمثل الذى استوقد ناراً فلما أضاء ت ماحوله ذهب الله بنورهم و تركهم فى ظلمت لايبصرون ٥صم بكم عمى فهم لا يرجعون.[۴۴]

ترجمہ: ''ان کی (عجیب) مثال تو ان کی سی (عجیب) مثال ہے جنہوں نے آگ جلائی پھر جب آگ نے اپنے ارد گرد کو روشن کردیا تو اللہ نے ان کی روشنی سلب کرلی اور ان کو اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ کچھ دیکھتے بھالتے نہیں (وہ) بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں تو اب وہ واپس نہ ہوں گے''۔[۴۵]

اسد نے مغربی تہذیب و تمدن کے منفی و تاریک پہلوؤں اور اس کے خوفناک انجام سے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ بہت زیادہ حد تک علامہ محمد اقبال اور الجزائری مفکر مالک بن نبی(۱۹۰۳-۱۹۷۳ء) کے خیالات سے مشابہت رکھتے ہیں۔ دونوں ہی کے نزدیک مغربی تہذیب و تمدن انسانیت کو درپیش مسائل کی گتھیوں کو سلجھانے سے عاجز و قاصر ہے، بلکہ انسانیت کو ہلاکت و بربادی کی طرف دھکیلنے کی ذمہ دار ہے۔ دونوں ہی کو اس تہذیب کا مستقبل بڑا تاریک دکھائی دیتا ہے۔ دونوں ہی کی نگاہ میں یہ تہذیب بڑی تیزی سے اپنے برے انجام کی طرف بڑھتی نظر آتی ہے۔[۴۶-الف]

مغربی تہذیب کی بالادستی اور تفوق و فضیلت کے تصور کی حقیقت-ناقدانہ جائزہ

محمد اسد نے مغربی تہذیب کے دیگر تہذیبوں بالخصوص اسلامی تہذیب پر تفوق و بالا دستی کے تصور کو بڑی شدت سے چیلنج کیا ہے۔[۴۶-ب] بہت سے مغربی دانش وروں، مفکرین[۴۷] اور اہل حکومت[۴۸] کے دعوؤں کے برعکس محمد اسد کا دعویٰ یہ ہے کہ مغربی تہذیب ایک آفاقی و عالمی تہذیب بننے کی قوت و صلاحیت سے قطعاً عاری ہے۔ ان کے خیال میں اخلاقی قوت اور روحانی حکمت سے یکسر تہی دامن اور خیر و شر کے کسی مسلمہ معیار سے محروم وعاری مغربی تہذیب نہ تو انسانیت کو تہذیبی

وحدت و یکجائی سے ہمکنار کرسکتی ہے اور نہ ہی اس کے لیے ایک مثالی و آفاقی تہذیب کی حیثیت اختیار کرسکتی ہے۔(۴۸-ب)

اسد کے الفاظ میں:

With the same arrogance with which they assume that Occidental civilization is the summit of all possible civilizations(۴۹)......Is there any sign that the civilization now dominant in the West contains the promise of leading mankind towards that unity of civilization and culture of which our dreamers dream? There is no such sign. There is not the slightest indication that the West, having lost every trace of ethical wisdom, will be able to solve unaided even its own economic and spiritual problem, not to speak of the problems of all mankind. On the other hand, their is a lot of indication to the contrary. True, Western civilization possesses great physical and scientific power: but it is also true that this power has reached its present peak at the expense of social morality, and that it now threatens to transform the earth into a wilderness; ......the whole social aspect of Western civilization - its entertainments- is overshadowed by the desire to stimulate sexual appetites and to make promiscuity appear "reasonable"; the crass materialism and the worship of money expressed; ......and so forth; and lastly, the ethical frustration evident in the lack of any agreement about the meaning of Good and Evil, and the submission, in all social and economic matters, to the rule of "expediency"...... that painted lady of the streets, willing to please anybody, at anytime, whenever she is invoked: does all this (and much more of the same kind) provides an indication that Western

civilization possesses the spiritual quality necessary for becomming the final, ideal civilization of mankind?[۵۰]

ترجمہ: ''اہل مغرب اس تکبرّ اور گھمنڈ میں مبتلا ہیں کہ ان کی تہذیب دنیا کی تمام تہذیبوں کا منتہائے کمال ہے۔ کیا اس بات کے کوئی آثار و قرائن موجود ہیں کہ مغرب میں جس تہذیب کا غلبہ ہے وہ انسانیت کو تہذیبی وحدت، کہ جس کا خواب مغرب کے اہل دانش و اہل سیاست دیکھ رہے ہیں،سے واقعتاً ہمکنار کرسکے گی؟ حقیقت یہ ہے کہ ایسی کوئی علامت اور امکان دور دور تک نظر نہیں آتا۔ اس بات کی ہلکی سی اُمید بھی نہیں پائی جاتی کہ اخلاقیاتی دانائی (ethical wisdom) سے قطعی طور پر محروم اور تہی دامن مغرب ساری انسانیت تو کجا خود اپنے ہی اقتصادی و سماجی، تہذیبی اور روحانی و اخلاقی مسائل کو بھی سلجھاسکے گا۔ یہ سچ ہے کہ مغرب کے پاس بے پایاں مادی و سائنسی قوت موجود ہے تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ مغرب نے یہ قوت و طاقت سماجی اخلاقیات کو قربان کر کے حاصل کی ہے چنانچہ مغرب کی یہ قوت و طاقت ساری انسانیت کو ہلاکت و بربادی سے دو چار کرنے کے درپے ہے۔ مغرب کی تہذیب کے جملہ سماجی پہلو اور اس کی تفریحات پر اس خواہش کا غلبہ ہے کہ وہ جنسی اشتہاء کو انتہائی حد تک برانگیختہ کردے حتیٰ کہ جنسی بے راہ روی لوگوں کی نگاہ میں ایک قبیح و شنیع اور نامَعقول و مَعیُوب فعل ہرگز نہ رہے۔چنانچہ عالم مغرب ہے کہ اندھی مادیت پرستی، دولت کی پرستش ،اخلاقیاتی خبیت (ethical frustration) میں مبتلا ہے اور اس کے پاس خیرو شر، نیکی و بدی کی کوئی معروضی اور دائمی و ابدی کسوٹی اور معیار و میزان موجود نہیں ہے۔ چنانچہ ان کے ہاں شخصی اور قومی مصلحت نے خیروشر کی میزان کی جگہ لے لی ہے۔ مغرب میں گلیوں اور بازاروں میں چلتی پھرتی آراستہ و پیراستہ عورت خود کو ہر اس شخص کے حوالے کرنے اور اس شخص کی دل لگی کا سامان بننے کو ہمہ وقت تیار ہے، جو بھی اس جنسِ ارزاں کا طالب ہو۔کیا اس سب کچھ کی موجودگی میں اس بات کا کوئی امکان باقی رہ جاتا ہے کہ مغربی تہذیب ساری انسانیت کے لیے آخری وحتمی اور معیاری و مثالی تہذیب بن سکتی ہے؟''۔

اسلامی تہذیب و معاشرت کا تفوق وفضیلت

اسد کی رائے میں کسی ایک تہذیب کی دوسری تہذیبوں پر تفوق و فضیلت کا دارومدار سائنسی وطبعی علوم میں اس کی حیرت انگیز ترقی اور نت نئی ایجادات و اختراعات پر نہیں، بلکہ اس امر پر ہوتا

ہے کہ اس میں کسی قدر اخلاقی قوت و توانائی پائی جاتی ہے۔ نیز اس میں انسانی زندگی کے مادی و جسمانی اور اخلاقی و روحانی پہلوؤں کو باہم منظّم و مربوط کرنے اور ان دونوں کے تقاضوں کی تکمیل کے ضمن میں اعتدال و توازن قائم کرنے کی قوت و صلاحیت کسی قدر پائی جاتی ہے۔ بالفاظ دیگر اسد کے نزدیک کسی تہذیب کی فضیلت و برتری (دوسری تہذیبوں پر) کا معیار اس کی داخلی اخلاقی و روحانی قوت میں مضمر ہے۔ اسد کے الفاظ میں:

> The superiority of one culture or civilization over another does not consist in the possession of a greater amount of material knowledge-, but in its ethical energy, in its greater possibility to explain and to co-ordinate all aspect of human life. And in this respect Islam surpasses every other culture.(۵۱)

خاص اس نقطۂ نظر سے وہ (اسد) جب اسلامی تہذیب کا مغربی تہذیب سے موازنہ کرتے ہیں تو انہیں اسلامی تہذیب صرف مغربی تہذیب ہی پر نہیں بلکہ دنیا کی دیگر تمام تہذیبوں پر فائق و برتر نظر آتی ہے جب کہ مغربی تہذیب، اسلامی تہذیب کے مقابلے میں ہیچ اور کم تر نظر آتی ہے۔اسد بلاشک و تردد اسلام کی اخلاقی ، معاشرتی اور تہذیبی اقدار کو مغرب کے تہذیبی و معاشرتی اقدار و تصورات پر ہر ہر اعتبار سے فائق گردانتے ہیں اور اس امر پر پختہ یقین رکھتے ہیں کہ اسلام کے اخلاقیات (ethics)، انفرادی و اجتماعی اخلاقی اقدار (Morality)، مثلاً عدل وانصاف، اخوت و بھائی چارے، ایثار و خیر خواہی اور حریت و مساوات کے بارے میں اس کے تصورات مغربی تہذیب کے تصورات سے قطعی طور پر انتہائی ارفع و اعلیٰ ہیں۔ اسلام نے نسلی و قومی عصبیت و منافرت کو منسوخ و متروک قرار دے کر اخوت اور مساوات کے لیے راہ ہموار کی۔ اسلام طبقاتی اونچ نیچ ، رنگ ونسل، زبان اور پیشہ کی اساس پر نسل انسانی کے مختلف گروہوں کے مابین امتیاز کی نفی کرتا ہے، جب کہ مغربی تہذیب اب تک نسلی و قومی مخاصمتوں کے تنگ دائروں سے باہر نکلنے میں ناکام رہی ہے۔ تمام مغربی تاریخ یونانیوں اور رومیوں کے عہد سے لے کر آج تک طبقاتی آویزشوں سے عبارت ہے۔(۵۲) اسد کی رائے میں اسلام کا تصور حیات وکائنات اور اس کا معاشرتی و تہذیبی نظام، مغرب کے تصور و طرز حیات اور اس کی سماجی اقدار و روایات سے کہیں زیادہ پر شکوہ، پر سکون و بے اضطراب اور فطری و انسانی ہے۔ اسلامی معاشرہ اپنی داخلی قوت، پیوستگی اور سماجی تنظیم و استحکام کے اعتبار سے دیگر تمام انسانی معاشروں اور اقوام پر فوقیت رکھتا ہے۔ قرآن حکیم کی تعلیمات نے اسلام

کے تہذیبی و معاشرتی ڈھانچے کو ٹھوس و مضبوط بنیاد فراہم کی ہے۔ جب کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ نے اس کے گرد ایک آہنی بندھن اور زنجیر کس دیا ہے چنانچہ بیرونی (اجنبی) تہذیبی و سماجی اقدار کی یورش کے مقابلے میں اسلامی معاشرے کی قوت مزاحمت و مدافعت آج بھی ناقابل تسخیر ہے۔ اسلامی معاشرہ ایک ترقی پسند معاشرہ ہے جو بہت حد تک داخلی آویزشوں سے پاک اور اخوت و بھائی چارے کا علم بردار و آئینہ دار ہے۔[(۵۳)]

تقلید مغرب

اسد کے نزدیک اسلام محض ایک دین ہی نہیں ہے بلکہ ایک کامل و اکمل تہذیب بھی ہے۔[(۵۴)] اسلامی تہذیب اپنی نوعیت و ماہیت اور خصائص کے اعتبار سے مغربی تہذیب سے وسیع و عمیق طور سے مختلف ہے۔ اسلام کے اصول و تعلیمات مغربی اقدار حیات سے ہرگز میل نہیں کھاتے جبکہ مغربی تہذیب کے بنیادی اصول و اقدار اسلام کی روح سے متصادم ہیں۔[(۵۵)] اسلامی تہذیب ایک نظریاتی تہذیب ہے، اس کا منبع و مصدر قرآنی نظریۂ حیات و کائنات ہے اور اس کی شناخت بلکہ اس کے وجود کا جواز دین و شریعت سے وابستہ ہے۔[(۵۶)] اس میں اخلاقی و روحانی اقدار کو دوسری ہر چیز پر فوقیت حاصل ہے۔ اس کے برعکس مغربی تہذیب اپنے تصورات و مناہج (perceptions and methods) کے اعتبار سے کلی طور پر مذہب دشمن ہے نتیجتاً مختلف امور و مسائل میں دونوں تہذیبوں کے رویوں اور نقطۂ ہائے نظر میں ناقابل عبور خلیج پائی جاتی ہے۔[(۵۷)] چنانچہ ان دونوں ''اسلام اور تہذیب مغرب'' کا سنجوگ کسی طور ممکن نہیں، نہ ہی دونوں کی بیک وقت پیروی ممکن ہے۔[(۵۸)] مغربی تہذیب کے دونوں مرکزی ستون لادینیت (سیکولرازم) اور قومیت پرستی (نیشنل ازم) تو رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے دین (اسلام) کی روح کے انتہائی منافی ہی نہیں بلکہ اس کی جڑ کاٹ دیتے ہیں۔[(۵۹)] اسد کی رائے میں عملی زندگی (انفرادی و اجتماعی) میں تہذیب مغرب کی تقلید کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ اسلام کو عملی زندگی کی تشکیل و تنظیم میں ایک فیصلہ کن عامل و محرک کی حیثیت سے محروم کردیا جائے اور اسے محض ایک ایسا روحانی نظام بنا کر رکھ دیا جائے جسے انسانوں کی عملی زندگی سے کوئی سروکار نہ ہو۔[(۶۰)] مغربی تہذیب اور اسلام کے مابین موافقت ممکن نہیں۔ مغربی تہذیب کی، نیز اس کے طرز زندگی و طرز معاشرت و نظام سیاست کی تقلید و پیروی اسلام پر، بطور ایک عملی مذہب اور نظام سیاست و حکومت کے، کاری ضرب لگائے بغیر ممکن ہی نہیں۔ غرضیکہ اسلام اور مغربی تہذیب کے مابین موافقت و ہم آہنگی ممکن ہی نہیں:

The moral basis of modern Western civilization is incompatible

> with Islam ......to go further and to imitate Western civilization in its spirit, its mode of life and its social organization is impossible without dealing a fatal blow to the very existence of Islam as a theocratic polity and a practical religion.[۶۱]

اسد کی رائے میں تہذیب مغرب کے بے قیدوبند اخذو قبول یعنی مغربیت و غرب زدگی (Westernization) کا عمل اسلام کے بنیادی مذہبی و اخلاقی، تہذیبی و سماجی اور سیاسی اصول و اقدار سے بتدریج دستبرداری کا راستہ ہموار کرتا ہے۔ چنانچہ کسی بھی شخص کا مغربی تہذیب، جو مذہبی نقطۂ نظر اور رویے کی مخالف و دشمن ہے، کے مزاج سے ہم آہنگی پیدا کرکے دین و شریعت پر قائم رہنا ایک امر محال ہے۔[۶۲] مغربی تہذیب و معاشرت و طرز زندگی کی انفرادی و اجتماعی طور پر تقلید و نقالی میں بلاشک و تردد اسلامی تہذیب کے وجود و بقا اور اس کے احیائے نو کے لئے ایک عظیم خطرہ پنہاں ہے۔[۶۳] چنانچہ آج اگر عالم اسلام مغربیت کے بڑھتے ہوئے رجحان و میلان کے سبب اپنے ماضی سے بیگانہ و ناآشنا اور اپنی تہذیبی و روحانی اساس و خود ارادیت سے محروم ہوتا چلا جارہا ہے[۶۴] تو یہ کوئی اچنبھے کی بات بھی نہیں ہے کیونکہ مغرب کی تہذیبی و معاشرتی اقدار اور طور طریقوں اور عادات و اطوار کی نقالی کا انجام بالآخر مغربی نظریۂ حیات و کائنات کو قبول کرنے اور اسلامی نظریہ حیات سے دستبرداری کی صورت میں ہی نکلتا ہے۔[۶۵] محمد اسد دنیائے اسلام کو اس کی موجودہ زبوں حالی و پستی اور پس ماندگی سے نکال باہر کرنے کے لئے مغربیت / غرب زدگی (westernization) کی روش کو ہرگز طور پر دانش مندانہ طرز فکر و عمل خیال نہیں کرتے۔[۶۶] انہوں نے مقلدین مغرب یعنی دنیائے اسلام میں سیکولرازم اور مغرب کی تہذیب و معاشرت کی ترویج و اشاعت کے علمبرداروں پر بھی شدید نقد کیا ہے اور انہیں کوتاہ نظر و کوتاہ اندیش بتلایا ہے۔ ان کی رائے میں مقلدین مغرب اسلام کی روح اورا س کی حقیقت سے بیگانہ و ناآشنا ہیں اور ساتھ ہی مغربی تہذیب و تمدن کی روح اور اس کی حقیقت و ماہیت خصوصاً اس کے تاریک پہلوؤں کے ادراک سے بھی عاری ہیں۔ ان کی نگاہیں مغربی تہذیب و تمدن کی ظاہری چمک دمک سے خیرہ ہو چکی ہیں۔[۶۷]

محمد اسد نے تجدد و مغربیت کے داعیوں کی ذہنی نفسیات اور ان کے تخلیق کردہ علمی و ادبی ذخیرے کے جدید تعلیم یافتہ طبقے کے ذہنوں پر منفی اثرات کا جائزہ بھی پیش کیا ہے، بالخصوص حدیث و سنت کی حجیت کے انکار اور دین کے دیگر مسلمات کے بارے میں ان کے طرز فکر کا نقد و احتساب بھی کیا ہے۔ ان کے خیال میں ''روشن خیال'' مقلدین مغرب، جو مغرب کے جدید افکاروخیالات سے

مرعوب و متأثر اس کی تہذیب و تمدن اور طرز زندگی و طرز معاشرت کے گرویدہ و دلدادہ ہیں، اسلام کے احکام و تعلیمات کی من مانی تعبیر و تشریح کرکے بلکہ ان کو توڑ مروڑ کر اول الذکر کے ساتھ ان کی کامل ہم آہنگی و موافقت ثابت کرنے کے لئے سرگرداں ہیں۔ ان کی اس ذہنی سرگرمی کا مدعا اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ کسی نہ کسی طرح سے مغربیت یعنی تقلید مغرب کے رویے کو مذہبی جواز فراہم کردیا جائے۔(۶۸) اسد رقم طراز ہیں:

''مسلمان متجددین و مصلحین کے دل و دماغ پر مغربی افکار و خیالات کا اس قدر غلبہ ہوگیا ہے کہ مغربی تہذیب و تمدن کی فضیلت و برتری کا تصور تو گویا ان کے عقیدہ و اذہان کا جزو لاینفک بن گیا ہے۔ چنانچہ وہ لاشعوری طور پر اسلام کے اصول و مقاصد کو مغرب کے فکر و فلسفہ اور اقدار و روایات سے ہم آہنگ کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔ وہ اسلام کی ایسی ہر ہر تعلیم جو انہیں تقلید مغرب کی راہ میں رکاوٹ بنتی معلوم ہوتی ہے، کے بارے میں دور ازکار تاویلات سے کام لیتے ہیں خصوصاً حدیث و سنت کے ذخیرے کو ساقط الاعتبار قرار دے کر مسترد کردیتے ہیں''۔(۶۹)

اسد کی رائے میں مقلدین مغرب کے تخلیق کردہ عذر خواہانہ علمی و ادبی ذخیرے نے مسلم افراد کے دل و دماغ میں اپنے دین ، تہذیب و تمدن و تاریخ، اور طرز حیات و معاشرت کے بارے میں احساس کمتری کو پروان چڑھایا ہے۔ اسلامی اصول و اقدار کے مطابق معاشرہ و ریاست کی تعمیر جدید پر ان کے عزم و ایمان کو مجروح کیا ہے اور اسے ضعف سے دوچار کیا ہے جبکہ تعلیم یافتہ طبقات میں مغربی تہذیب و معاشرت، طرز سیاست و حکومت اور نظام تعلیم کی غلامانہ تقلید اور اندھی نقالی کے رجحان کو تقویت پہنچائی ہے۔(۷۰) اسد کے خیال میں متجددین و مقلدین مغرب کے افکار و خیالات اور ان کی علمی و ادبی سرگرمیاں عالم اسلام کے جدید تعلیم یافتہ طبقات میں ذہنی و فکری ارتداد کا بڑا سبب و محرک بنی ہیں۔ چنانچہ اسلام کی قوت و صلاحیت پر ان کے اعتماد کو ضعف اور گزند پہنچا ہے اور تجدد و مغربیت کا عمل، جو گزشتہ ڈیڑھ دو صدیوں سے جاری ہے، احیائے اسلام کی راہ میں ایک کوہ گراں بن گیا ہے۔ اسد کے الفاظ میں:

On the whole these "reformist" activities resulted in subordinating the ethics of Islam to the views prevalent in Europe: and so they merely deepened the uneasy feeling of inferiority in the Muslims and still further undermined their belief in the possibility of a

reconstruction of their society on truly Islamic lines. While the misguided, though well intentioned, endeavours of our early "liberals" undermined the Muslims' belief in possibility of an Islamic revival, the cultural masquerade of their successors is based on conscious or sub-conscious denial of the desirability of such a revival: ...... for our fashionable Muslim gentlemen have grown accustomed to confusing "modernity' with an apping of western customs and any attempt to make the Shari'ah of Islam a basis of our social life is dismissed by them as "reactionary".[۱۷-ل]

ترجمہ: ''یہ مقلدین مغرب جدیدیت (modernity) کو مغربی عادات و اطوار کی اندھی و بہری تقلید کے ساتھ خلط ملط کردیتے ہیں اور شریعت اسلامیہ کو اجتماعی زندگی کی اساس بنانے کی ہر کوشش کو ''رجعت پسندی'' کہہ کر سختی سے مسترد کردیتے ہیں......دوسرے درجے کے معذرت خواہانہ ادب نے مسلمانوں میں مغرب کی کورانہ تقلید کے رجحان کو تقویت پہنچائی ہے۔ اس نوع کے ادب نے اسلام کی عملی تعلیمات کا صریح طور پر انکار تو نہیں کیا تاہم یہ دکھانے اور ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ شریعت کو مغربی دنیا کے سماجی اور معاشی نظریات کا تابع ضرور بنایا جاسکتا ہے۔ یوں اس ادب نے مغرب کی تہذیب اور اس کی معاشرتی اقدار کی تقلید کو جائز اور روا قرار دیا ہے اور اسلام کے اہم ترین اور بنیادی معاشرتی اصولوں سے بتدریج دستبرداری کی راہ ہموار کی ہے...... کسی بیرونی تہذیب کی تقلید کا رجحان احساسِ کمتری سے پیدا ہوتا ہے۔ ان مسلمانوں کا جو مغربی تہذیب کی تقلید کرتے ہیں یہی اور صرف یہی معاملہ ہے۔ مقلدین مغرب...... تہذیب مغرب سے مَرعُوب و مسحور یہ افراد جب مغربی تہذیب کی قوت، اس کی سائنسی ترقیوں اور فنی ہنرمندی اور اس کی سطحی و ظاہری آب و تاب کا موازنہ دنیائے اسلام کی موجودہ قابل افسوس پستی اور زبوں حالی سے کرتے ہیں تو اس بات کا یقین کرنے لگتے ہیں کہ ہمارے موجودہ دور میں مسلمانوں کے لیے مغربی طور طریقوں کی تقلید و نقالی کے علاوہ اور کوئی چارہ کار ہی نہیں ہے۔ اپنی خامیوں اور کوتاہیوں کے لیے اسلام کو مورد الزام ٹھہرانا ان کی عادت بن گئی ہے۔ یہ ہمارے نام نہاد ''روشن خیال'' دانش ور اور صاحبانِ عقل و خرد معذرت خواہانہ

رویہ اختیار کرتے ہیں اور خود اپنے آپ کو اور دوسروں کو بھی یہ سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اسلام اور مغربی تہذیب میں کامل موافقت و ہم آہنگی پائی جاتی ہے اور ان دونوں میں کوئی فرق و اختلاف نہیں پایا جاتا''(۷۱-ب)۔

مختصر یہ کہ محمد اسد مسلمانوں کے اسلامی تشخص و تہذیبی خود ارادیت کے تحفظ و بقا ہی کے لیے نہیں بلکہ خود احیائے اسلام کی غرض سے مغربی تہذیب کی تقلید سے چھٹکارے کو ازحد ضروری خیال کرتے ہیں۔ ان کی رائے میں اگر مسلمان واقعی طور پر سچے دل سے اسلامی اقدار کو محفوظ رکھنا اور ان کو حیات نو بخشنا چاہتے ہیں تو انہیں چاہیے کہ وہ مغربی تہذیب کی تقلید و نقالی کا سودائے خام یکسر اپنے دماغ سے نکال دیں۔ کیونکہ مغربی تہذیب کے ذہنی اثر سے اسلام کو جو نقصان پہنچ رہا ہے یا پہنچے گا وہ اس تہذیب کی تقلید سے حاصل ہونے والے نفع کے مقابلے میں کہیں زیادہ بھاری ہوگا۔(۷۲)

مغربی تعلیم

اسد نے جدید مغربی تعلیم کی نوعیت و ماہیت ، اس کے خصائص اور مسلم معاشرہ پر مرتب ہونے والے اس کے اثرات کا جائزہ بھی لیا ہے۔ ان کی رائے میں جدید مغربی نظام تعلیم ، جو دراصل یورپ کے مذہبی ، تہذیبی و سماجی اقدار و تصورات، اس کے تصور انسان و کائنات اور اس کے مخصوص تاریخی تجربات پر مبنی ہے، اپنی ماہیت کے اعتبار سے مذہب و روحانیت کا دشمن ہے۔(۷۳) چنانچہ اس بات کی توقع ہرگز نہیں کی جاسکتی کہ مسلم نوجوانوں کو دی جانے والی یہ مغربی تعلیم اسلام دشمن مؤثرات سے پاک ہوگی۔ مغربی تعلیم لازمی طور پر مسلمانوں کی نوجوان نسل کے حاسہ دینی کو کمزور کردیتی ہے۔ حضور رسالت مآبؐ کے لائے ہوئے دین پر ان کے ایمان و یقین اور اسلام کی مخصوص دینی تہذیب اور اس کے نظام معاشرت و سیاست پر ان کے اعتماد کو ضعف سے دوچار کردیتی ہے، گویا یہ ان کے دینی و فکری ارتداد کا موجب بن جاتی ہے۔(۷۴) اسد کے خیال میں جدید مغربی تہذیب کا ذہنی و فکری ماحول اس قدر شدید طور سے مذہب دشمن ہے کہ وہ مسلمانوں کی نئی نسل کی مذہبی صلاحیتوں اور امکانات پر خبیث عفریت کی طرح مسلط ہوجاتا ہے۔ چنانچہ مسلم نوجوانوں کو دی جانے والی مغربی طرز کی تعلیم کا نتیجہ یقیناً یہی برآمد ہوگا کہ یہ نوجوان آگے چل کر مذہب دشمنی کا رویہ اختیار کربیٹھیں گے۔(۷۵)

محمد اسد مسلم ممالک میں مغربی تعلیم کی ترویج و اشاعت کو ان ممالک میں اسلامی تہذیب و معاشرت کے احیائے نو کی راہ میں سب سے بھاری رکاوٹ خیال کرتے ہیں۔(۷۶) وہ مغربی طرز

کے جدید اسکولوں میں یورپی فلسفہ ، ادب اور تاریخ کی تعلیم و تدریس کو بے حد مضر خیال کرتے ہیں۔ گو کہ وہ مغربی زبانوں کی تعلیم کے خلاف ہرگز نہیں۔ ان کی رائے میں یورپی ادب یورپی اقوام کی تہذیب و معاشرت اور ان کے ذہنی و فکری میلانات و رجحانات کا عکاس اور آئینہ دار ہے۔ یورپی ادب تعصب اور جانب داری سے معرّا نہیں، اس میں یورپ کی مذہبی اور تہذیبی و معاشرتی اقدار اور ان کے ذہنی رویے کے بارے میں جو بے پناہ مبالغہ آرائی کی گئی ہے وہ خام اور ناپختہ ذہنوں کو پورے طور پر اخذ و قبول کرلینے پر مائل کرتی ہے۔ اس طرح مغربی تہذیب کے ساتھ نہ صرف یہ کہ افلاطونی محبت و گرویدگی (Platonic adoration) کا میدان ہی تیار ہوجاتا ہے بلکہ اس تہذیب، جو روح اسلام کے منافی ہے، کی عملاً تقلید کے لئے راہیں ہموار ہوجاتی ہیں۔ چنانچہ آج مسلم اداروں میں یورپی ادب کی تعلیم جس صورت میں مروج ہے وہ مسلم نوجوانوں کو اسلام سے اور اس کی تہذیب و معاشرت سے بیگانہ و اجنبی بنادینے کا سبب بن رہی ہے۔[۷۷] اسد کی رائے میں یورپی تاریخ میں ''رومی بمقابلہ وحشی'' کا قدیم تصور پوری طرح سے سمویا گیا ہے۔ اہل یورپ نے تاریخ کی تعبیروتشریح کا ایسا اسلوب و منہج اختیار کیا ہے کہ جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ یورپی اقوام اور ان کی تہذیب دنیا کی دیگر اقوام اور ان کی تہذیبوں سے ارفع و اعلیٰ ہیں۔ اس سے باقی دنیا میں اہل یورپ کی جستجوئے اقدار اور غلبہ و استیلاء کو ایک طرح سے اخلاقی جواز مل جاتا ہے۔ چنانچہ اس نوع کی تاریخ کے مطالعہ سے نوخیز مسلم نوجوان عظمت یورپ کے قائل ہوجاتے ہیں اور خود اپنی تہذیب، اپنے دین اور اپنے ماضی کے بارے میں مایوس ہوجاتے ہیں۔ اس طرح مسلم اداروں میں یورپی تاریخ کی تدریس وتعلیم کے ذریعے گویا مسلم نوجوانوں کو اپنے ہی حال اور مستقبل کو نفرت و حقارت کی نگاہ سے دیکھنے اور مغربی آدرشوں (Ideals) کے سامنے تسلیم و سپردگی کی باقاعدہ تعلیم و تربیت دی جاتی ہے۔[۷۸-ا] اسد بغیر کسی ترمیم و اصلاح کے مسلم ممالک میں مغربی تعلیم کی ترویج و اشاعت کے نتائج و مضمرات کا جائزہ ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

> ......through the instrumentality of Western schools and of Western-oriented methods of education in the Muslim world, the distrust of Islam as a social doctrine is being systematically planted in the minds of the younger generation of Muslim men and women"[۷۸-ب].

ترجمہ: ''مغربی درس گاہوں کے ذریعے سے نیز اسلامی دنیا میں مغربیوں کے جاری کردہ

طریقِ تعلیم کے ذریعے سے اسلام کے خلاف بے اعتمادی پیدا کی جارہی ہے۔ مردوں اور عورتوں کی نئی نسل کے ذہنوں میں منظّم طریق پر یہ عقیدہ بٹھایا جارہا ہے کہ اسلام کے عمرانی اصول قابل اعتماد و قابل عمل نہیں''۔

محمد اسد مسلم نوجوان نسل کو ذہنی و فکری ارتداد سے بچانے نیز دین اسلام اور اس کی تہذیب پر ان کے اعتماد و ایقان کو راسخ و مستحکم کرنے کی غرض سے مسلم ممالک میں رائج جدید مغربی نظام تعلیم کی بھی تشکیل نو چاہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں وہ جدید مغربی طرز کے اسکولوں کے نصابات میں ترمیم و اصلاح کا ایک خاکہ بھی تجویز کرتے ہیں۔ وہ ان اسکولوں کے نصابات میں یورپی فلسفہ، ادب اور تاریخ کی تعلیم و تدریس کو فائق و برتر حیثیت دینے کو ہرگز مناسب خیال نہیں کرتے البتہ وہ مغربی زبانوں کی تدریس کی اہمیت سے انکار نہیں کرتے۔ اسد کہتے ہیں:

''اگر مجھے ایک ایسی مثالی مجلس تعلیم جو صرف اسلامی ملحوظات (considerations) کے تابع ہوتی ہو، کے سامنے اپنی تجاویز کو پیش کرنے کا موقع میسر آتا تو میں اس بات پر بہت زور دیتا کہ مسلم اسکولوں میں مغرب کی تمام ذہنی تحصیلات میں سے صرف علوم فطرت (Natural Sciences) اور ریاضی کی تعلیم دی جائے اور ان اسکولوں کے تعلیمی نصاب میں آج جو برتر و غالب حیثیت یورپی فلسفہ، ادب اور تاریخ کو حاصل ہے وہ یک قلم موقوف کردی جائے۔ جہاں تک یورپی ادب کا تعلق ہے اسے نظر انداز تو نہیں کرنا چاہیے البتہ نصاب میں اس کا حصہ بھی اتنا ہی رہے جو کسی مغربی زبان کی تعلیم کے لئے ضروری ہو''۔[۷۹]

اسد نے مسلمانوں کی نوجوان نسل کے ذہنوں میں اسلامی شعور کی بیداری اور مغربی تعلیم کے مذموم و مہلک اثرات کے سدباب کے لئے متبادل اقدامات بھی تجویز کیے ہیں۔وہ اس نظام تعلیم میں شامل فاسد ومضر اجزاء کو نکال باہر کرکے اس میں ایسے اجزاء شامل کرنا چاہتے ہیں جو مسلم نوجوان نسل کے دل و دماغ میں عقیدہ و ایمان کی آب یاری کرسکیں۔ ان کی رائے میں مسلم اسکولوں میں یورپی ادب کی تعلیم کی جگہ ایک معقول و متمیز اسلامی ادب کو دی جائے کہ جس کے ذریعے سے طلبہ کو اسلامی تہذیب و ثقافت کے تعمق و ثروت سے روشناس کرایا جاسکے اور اس کے مستقبل کے بارے میں ان کے دلوں میں امید کی ایک جوت جگائی جائے۔[۸۰] اسد خالص مسلم نقطۂ نگاہ سے دنیا کی ایک تاریخ کی ترتیب و تدوین کے تصور کے علمبردار ہیں۔ ان کے خیال میں اگر یہ اہم علمی کام انجام نہ دیا گیا

اور اسلام، مسلمانوں اور ان کی تہذیب و ثقافت کے بارے میں تعصب اور نفرت و حقارت سے مملو یورپی تاریخ کی تعلیم و تدریس سے ہماری نئی پود کے ذہنوں کی آب یاری کا سلسلہ یوں ہی چلتا رہا تو اس کا لازمی نتیجہ یہی ہوگا کہ ہماری نوجوان نسل کا اپنے مذہب اپنی تاریخ اور اپنی تہذیب و ثقافت کے بارے میں احساس کمتری شدید سے شدید تر ہوتا چلا جائے گا اور وہ اس احساس کمتری کو قابو میں لانے کے لئے مغربی تہذیب و ثقافت کو بہ تمام و کمال اخذ و جذب کرلیں گے اور اپنی زندگی میں سے اسلام کو باہر نکالنے پر آمادہ ہوجائیں گے۔(۸۱)

مغربی طرز تعلیم کے بارے میں اسد کا یہ تجزیہ، جو ان کے ذاتی تجربات و مشاہدات ''ترکی، ایران، ہندوستان وغیرہ میں مغربی تعلیم کی ترویج اور اس کے پیدا کردہ نتائج سے متعلق'' پر مبنی ہے، بہت حد تک مبنی برحقیقت معلوم ہوتا ہے۔ گزشتہ سو سوا سو سال سے مسلم دنیا کے جدید تعلیم یافتہ طبقات کے دین اسلام کے احکام و تعلیمات اور اس کی تہذیبی و سماجی اقدار و روایات سے انحراف و روگردانی نے تو اسلام کے خلاف بغاوت کی سی صورت اختیار کرلی ہے۔ یہ طبقات اسلام، فقہ و شریعت اور اس کی تہذیب و تمدن کو ناکارہ و فرسودہ خیال کرتے ہیں اور مسلم معاشروں کی موجودہ پس ماندگی و خستہ حالی سے فلاح و نجات مغرب کی تہذیبی و سماجی اقدار اور اس کے سیاسی و اقتصادی نظام کی مطلق تقلید و نقالی میں خیال کرتے ہیں۔ یہ طبقات مسلم ممالک میں اجتماعی زندگی کے مختلف شعبوں کی تعمیر و تشکیل نو میں اسلام کو کوئی مؤثر کردار دینے کو ہرگز آمادہ نہیں۔ ترکی، مصر، الجزائر، لیبیا، مراکش، تیونس، انڈونیشیا اور خود وطن عزیز پاکستان کے مقتدر طبقات، جنہوں نے جدید مغربی طرز کے ملکی اور غیر ملکی تعلیمی اداروں میں تعلیم پائی ہے، کا اسلام کے احکام و تعلیمات اور اس کے تہذیبی و سماجی اقدار کے بارے میں معاندانہ و سرکشی کا رویہ اس امر کا منہ بولتا ثبوت ہے۔(۸۲) اس حقیقت یعنی جدید مغربی تعلیم کے مفاسد کا ادراک علامہ محمد اقبال کو بھی تھا، چنانچہ انہوں نے مغربی طرز تعلیم کی خامیوں اور کمزوریوں اور ان کے منفی نتائج و ثمرات کو خوب آشکارا کیا تھا(۸۳) اور تو اور خود علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، جس کے مؤسس اوّل سرسید احمد خاں مغربی تہذیب و معاشرت اور نظام تعلیم کی ترویج و اشاعت کے علمبردار اور پرجوش داعی تھے، کے ذمہ داروں کو بیسویں صدی کے ربع اوّل کے بعد سے اس حقیقت کا ادراک ہوگیا تھا کہ اس یونیورسٹی کے فضلاء کی اکثریت الحاد و دہریت میں مبتلا ہے۔ چنانچہ اصلاح احوال بالفاظ دیگر طلبہ کے اندر حقیقی اسلامی اسپرٹ پیدا کرنے کی غرض سے نصاب تعلیم میں دینیات کے عنصر کو پہلے کی بہ نسبت کچھ بڑھانے کی ضرورت محسوس کی گئی۔ یونیورسٹی کے ذمہ داروں کا خیال تھا کہ اس طرح سے طلبہ کے اندر الحاد و لادینیت کے بڑھتے ہوئے رجحان کے

آگے بند باندھا جاسکتا ہے۔[۸۴] محمد اسد نے جدید مغربی طرز تعلیم کے مہلک اثرات کے سدباب کے لئے جو لائحہ عمل تجویز کیا ہے وہ اس لائق ہے کہ اس پر فوری توجہ دی جائے۔ اسکولوں میں اسلامی ادب کی مؤثر تعلیم و تدریس اور تاریخ عالم کی اسلامی نقطۂ نگاہ سے تدوین جدید سے متعلق ان کی تجاویز بھی مسلم دانش وروں اور محققین کو دعوت غور وفکر دیتی ہیں۔ ان کے دو معاصرین سید ابوالحسن علی ندوی اور سید قطب شہید نے بھی اسلامی ادب کے نظریے کے علاوہ تاریخ کی تدوین جدید کے خیال کی ترجمانی کی ہے۔[۸۵]

مغربی تہذیب و تمدن سے اخذ و اکتساب اور اس کے حدود

مغربی تہذیب و تمدن اور نظام تعلیم پر محمد اسد کی تند و تیز تنقیدات اور پھر اس کی تقلید و نقالی کے بارے میں ان کے مذکورہ تجزیے کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسلم اقوام مغربی تہذیب و تمدن کے بارے میں کون سا رویہ اختیار کریں کہ وہ اپنے معاشروں میں موجود غربت و افلاس اور پس ماندگی سے چھٹکارا پاسکیں، جدید سائنسی ترقیوں کے ثمرات سے مستفید ہوسکیں اور ساتھ ہی اپنے اسلامی وتہذیبی تشخص کے تحفظ و بقاء کو بھی یقینی بناسکیں۔ یہ ایک بہت اہم اور توجہ طلب مسئلہ ہے۔ سید ابوالحسن علی ندوی نے کئی دہائی پہلے (۱۹۶۳ء) اس مسئلہ کی اہمیت اور نزاکت کے بارے میں لکھا تھا:

> ''میرے نزدیک یہی اس وقت مسلم ممالک کا سب سے بڑا اور حقیقی مسئلہ ہے۔ یہ مسئلہ نہ فرضی ہے نہ خیالی مسلم ممالک کی اندرونی کمزوریوں اور مغربی تہذیب کے نفوذ و استیلاء کی کیفیت نے (جس کی نظیر تہذیب انسانی کی تاریخ میں مشکل سے ملے گی) ، ان ممالک کے مادی و سیاسی اقتدار نے سارے مسلم ممالک کے سامنے اس مسئلہ کو نہایت روشن سوالیہ نشان بناکر کھڑا کردیا ہے، جس کا جواب سب کو دینا ہے اور اس سگنل کے بغیر کسی ملک کی گاڑی آگے نہیں بڑھ سکتی۔ مغربی تہذیب کے بارے میں یہ ممالک کیا رویہ اختیار کرتے ہیں اور اپنے معاشرے کو موجودہ زندگی سے ہم آہنگ بنانے اور زمانہ کے قاہر تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے کون سی راہ اختیار کرتے ہیں اور اس میں کس حد تک ذہانت و جرأت کا ثبوت دیتے ہیں؟ اسی سوال کے جواب پر اس بات کا انحصار ہے کہ دنیا کے نقشہ میں ان قوموں کی نوعیت کیا قرار پاتی ہے، ان ملکوں میں اسلام کا مستقبل کیا ہے اور وہ اس زمانہ میں اسلام کے عالمگیر و ابدی پیغام کے لیے کہاں تک مفید ہوسکتے ہیں؟ اس بات کی عرصہ سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ اس مسئلہ کا علمی

و تاریخی جائزہ لیا جائے- اور ایک حقیقت پسند مفکر کی حیثیت سے نظر ڈالی جائے اور افراط و تفریط سے بچ کر- اس کا تجزیہ کیا جائے کہ اسلامی معاشرہ کے لئے (جس کے لئے نہ صرف اسلام کے عقائد و اخلاق اور نظریۂ حیات کی پابندی ضروری ہے بلکہ اپنے منصب کے لحاظ سے دعوت و امامت اور احتساب کائنات بھی اس کا فریضہ ہے) ترقی کرنے اور زندگی کے رواں دواں قافلہ کے ساتھ جانے کے لئے صحیح اور معتدل راہ کیا ہے؟ آج تمام مسلم ممالک کو سب سے زیادہ اسی مخلصانہ مشورہ کی ضرورت ہے، اس سلسلہ میں ذرا سی غلطی اور تھوڑی سی بے اعتدالی ان کو کہیں سے کہیں لے جاسکتی ہے''۔[۸۶]

سید ابوالحسن علی ندوی نے امت مسلمہ کو درپیش جس انتہائی اہم ترین مسئلہ کا ذکر آج (۲۰۰۶ء) سے تقریباً تینتالیس سال پہلے (۱۹۶۳ء میں) کیا تھا وہ مسئلہ نہ صرف یہ کہ آج بھی زندہ و توانا ہے بلکہ اس نے اب پہلے سے بھی کہیں زیادہ اہمیت اختیار کرلی ہے۔ غیر ملکی استعماری طاقتوں کی طرف سے مسلم ممالک میں تعلیمی و سماجی اور سیاسی اصطلاحات کا مطالبہ زور پکڑ گیا ہے۔ مغربی طاقتوں کے دبدبے سے مرعوب اور قوت ایمانی و حمیت ملی سے محروم مسلم حکومتیں اپنے اقتدار کے تحفظ و استحکام کی غرض سے ان مغربی طاقتوں کے متعینہ ایجنڈے کے مطابق اصلاحات خصوصاً تعلیمی نظام کی سیکولرائزیشن کی طرف گامزن ہیں اور بزور قوت مغرب کی تہذیبی و سماجی اقدار کو مسلم معاشروں پر مسلط کرنے کے درپے ہیں۔ گزشتہ صدی ڈیڑھ صدی کے دوران میں مغربی تہذیب و تمدن سے اخذ واکتساب کے بارے میں جو رویے سامنے آئے وہ زیادہ تر افراط و تفریط - یعنی مغربی تہذیب و تمدن کی کامل تقلید ونقالی یا پھر اس کے مکمل استرداد کے مظہر تھے۔[۸۷] بلاشبہ بعض ارباب دانش نے خذما صفاء دع ما کدر کے اصول کو اپناتے ہوئے افراط و تفریط کے رویوں سے ہٹ کر ایک درمیانی راستہ تلاش کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔[۸۸] تاہم سنجیدہ علمی و فکری حلقوں کے ہاں اب بھی یہ احساس پایا جاتا ہے کہ مغرب کی تہذیب و تمدن سے اخذ و اکتساب کے بارے میں ماضی میں امت مسلمہ کا رویہ معتدل و متوازن اور حقیقت پسندانہ نہیں رہا۔ اس ضمن میں مولانا ابوعمار زاہد الراشدی مدیر ماہنامہ الشریعة (گوجرانوالہ) کا یہ بیان قابل ذکر ہے:

''مغرب کی لادینی جمہوریت ہو، مطلق جمہوریت ہو یا اس کی مجموعی تہذیب و ترقی ہو، اس پر مسلم امہ کا ردعمل حقیقت پسندانہ نہیں ہے اور حالات کے معروضی تقاضوں سے مطابقت نہیں رکھتا۔ ہمارا ردعمل دو انتہاؤں کے درمیان پنڈولم (pendulum) بنا ہوا ہے۔ ایک طرف اسے مکمل طور پر قبول کرلینے کی بات ہے اور دوسری طرف اسے مکمل طور پر مسترد کردینے کا جذبہ ہے، ہمارے ردعمل

کے اس پنڈولم کو درمیان میں قرار کی کوئی جگہ نہیں مل رہی اور یہی ہمارا اصل المیہ ہے''۔(۸۹)

مولانا زاہد الراشدی کے خیال میں مغرب کی تہذیبی و سیاسی یلغار کا راستہ روکنے یا پھر اس کی زد سے اپنی تہذیب و ثقافت کو بچانے کے لئے ہمارے دینی اور علمی و فکری حلقوں کا جو ردعمل سامنے آیا یا آرہا ہے اس کا وہ رخ تو یقیناً خطرناک ہے جس میں مغرب کے سامنے سپراندازی اور اس کے فلسفہ و نظام کو مکمل طور پر قبول کرنے کی تلقین کی جاری ہے لیکن وہ رخ بھی اس سے کم خطرناک نہیں جس میں مغربی کی ہر بات کو رد کرنے پر زور دیا جارہا ہے۔(۹۰) تحریک اسلامی کے ایک ممتاز دانش ور ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی کے نزدیک بعض اموروسائل ایسے ہیں جن پر غوروبحث کی ضرورت باقی ہے۔ خاص طور پر یہ امر اب بھی وضاحت طلب ہے کہ اسلام پر قائم رہتے ہوئے دور جدید کے مسلمان انسانی عقل و تجربہ اور معاصر نظاموں سے اخذ و ترک کا طریقہ کس حد تک اختیار کرسکتے ہیں۔ کیا اسلام ہر اعتبار سے خودکفیل ہے اور دنیا کی اسلامی تعمیر نو میں کسی اور ماخذ سے رہنمائی حاصل نہیں کرنی ہے۔ کیا فرد کی تربیت معاشرے کی تعمیر اور ریاست کی تشکیل کے باب میں مغرب کا ہر طریقہ مردود ہے اور ہم اپنا طریق کار تمام تر اپنے ماضی کی روشنی میں خود مرتب کرسکتے ہیں۔(۹۱) مسئلہ کی نزاکت اور اہمیت کے پیش نظر یہ امر بے حد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ محمد اسد ایسا نومسلم دانش ور جو مشرق و مغرب کے مزاج اور ان کی روح سے بخوبی آگاہ و باخبر ہے اور جسے جدید دنیائے اسلام کے مسائل سے بھی بخوبی واقفیت حاصل ہے، کا اس باب میں مؤقف معلوم کیا جائے، یعنی یہ معلوم کیا جائے کہ وہ (اسد) مغربی تہذیب و تمدن ، تجربی علوم اور مغرب کی سائنسی ایجادات و اختراعات اور سماجی و سیاسی تجربات و اجتہادات سے اخذ و اکتساب کے سلسلہ میں کیا نقطۂ نگاہ رکھتے ہیں۔

امر واقعی یہ ہے کہ اسد مغربی تہذیب و تمدن اور اس کے سیاسی و سماجی اقدار و نظریات پر کڑی تنقید کے باوجود اسے کلیتاً مسترد نہیں کرتے۔ نہ ہی وہ انہیں شر اور فساد کا منبع گردانتے ہوئے ان سے اخذ و استفادہ کو شجرممنوعہ قرار دیتے ہیں۔ ان کی رائے میں مغربی تہذیب و تمدن کے بعض پہلو، مثلاً سیکولرازم، قومیت پرستی، مادیت پرستی و اباحیت پسندی، اخلاقی و جنسی بے راہ روی اور معاشرتی زندگی کے بہت سے طور طریقے ایسے ہیں جو مسترد کئے جانے کے قابل ہیں جب کہ بعض دوسرے پہلو ایسے بھی ہیں جن سے استفادہ ناگزیر ہے۔ گویا محمد اسد مغرب کی تہذیب و تمدن سے، اس کے فاسد و صالح اجزاء و عناصر میں فرق و امتیاز کرتے ہوئے خذما صفا و دع ماکدر کے اصول کو رہنما بناتے ہوئے مغربی تہذیب سے اخذ و اکتساب کے حق میں ہیں۔ وہ مختلف تجربی و سائنسی علوم

و فنون کے میدان میں مغرب کے اجتہادات اور تجربات و اکتشافات کو دنیائے اسلام کی موجودہ پس ماندگی و زبوں حالی سے نکال باہر کرنے کے لئے انتہائی ضروری خیال کرتے ہیں تاہم مکمل تسلیم سپردگی اور غلامانہ ذہنیت کے ساتھ نہیں بلکہ مجتہدانہ روش کو اپناتے ہوئے۔(۹۲) اسد کی رائے میں وہ سب سے اہم چیز جس میں مغرب سے اخذ و استفادہ ملت اسلامیہ کے لئے منفعت بخش ہو سکتا ہے وہ سائنسی علوم و فنون اور ان کا منہاج و طریق کار (scientific matter and method) ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ مغرب کے علوم قطعیہ (exact sciences) کا مطالعہ کرنے اور ان کو اخذ و قبول کرنے سے بالکل نہ ہچکچائیں۔ البتہ وہ مغربی فلسفہ و فکر کے کسی بھی جزو کو اخذ و جذب کرنے سے گریز کریں۔(۹۳) اسد دراصل مغرب سے سائنسی علوم و فنون کا اخذ و اکتساب کے ضمن میں بھی چھان پھٹک والی بصیرت سے کام لینے کے حامی و داعی ہیں۔ ان کے خیال میں: ''سائنسی تحقیقات کے معاملہ میں جو غفلت مسلمانوں سے ماضی میں سرزد ہوئی ہے اس کی تلافی مغربی علوم کی بے قید و بند قبولیت سے ہرگز نہیں کی جاسکتی، ہماری تمام تر پس ماندگی اور افلاس کا اس مہلک اثر کے ساتھ کوئی مقابلہ ہی نہیں ہوسکتا جو مغربی علوم کی اندھی تقلید کے ہاتھوں دنیائے اسلام کے مذہبی ممکنات پر پڑے گا۔ اگر ہم اسلام کی حقیقت و صداقت (reality) کو ایک تہذیبی عامل کی حیثیت سے محفوظ و مصئون رکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں مغرب کے ذہنی ماحول سے ہر وقت اور ہر آن چوکنا رہنا ہوگا۔(۹۴) اسد کو اس حقیقت کا بھی بخوبی ادراک ہے کہ اس وقت بہت سے علوم قطعیہ مثلاً جوہری طبیعات (atomic Physics) خالص تجربی تحقیق و تفحص کی سرحدوں کو عبور کرکے فلسفہ کے میدان میں داخل ہوچکے ہیں، لہٰذا کئی صورتیں ایسی ہیں جن میں تجربی سائنس اور ظنی قیاسی فلسفہ (speculative philosophy) کے مابین خط امتیاز کا کھینچنا انتہائی مشکل ہے تاہم وہ اس کو ہرگز ناممکن خیال نہیں کرتے۔ ان کے خیال میں مستقبل میں خواہ کچھ ہی پیش آئے مغرب کے ذہنی رویہ کے آگے غلامانہ سر تسلیم خم کئے بغیر جدید سائنس کا سیکھنا اور سکھانا آج بھی ممکن ہے، البتہ اس کے لئے بے انتہا مجتہدانہ کوششوں کی ضرورت ہے۔مسلم سائنس دانوں کا فرض ہے کہ جب وہ ایک مرتبہ سائنسی تفحص کے آخری کنارہ پر پہنچ جائیں تو اس وقت مغرب کے فلسفیانہ نظریات سے دامن جھاڑ کر خود اپنے ہی یعنی اسلامی فکر و نظر سے ایسے ایسے نتائج استنباط کرجائیں جو مغربی سائنس دانوں کی اکثریت کے استنباط کردہ نتائج سے بالکل مختلف ہوں۔ اسد کے الفاظ میں:

It will be the duty and the opportunity of Muslim scientists, when once they reach those border lines of scientific investigation, to

apply their powers of speculative reasoning independently of Western philosophical theories. Out of their own Islamic attitude they probably will arrive at conclusions different from those of the majority of the modern western scientists.[۹۵]

اسد کی رائے میں یہی دراصل وہ نکتہ اور مقام ہے جہاں اسلامی تہذیب کو اپنا جداگانہ وجود منوانے کے لئے تگ و دو کرنا پڑے گی۔[۹۶] ان کے ان خیالات سے واضح طور پر یہ مترشح ہوتا ہے کہ وہ جدید طبعی علوم کی تدوین نو بالفاظ دیگر وہ جدید طبعی علوم کی اسلامی تشکیل کے تصور و خیال کے داعی ہیں۔ وہ جدید مغربی علوم کو مغربی فکروفلسفہ کی زہرناکی سے پاک صاف کرکے ہی ان کی تحصیل کے حق میں ہیں۔ چنانچہ ان کو، اپنے اس نقطۂ نظر کی بناء پر جس کا اظہار انہوں نے ۱۹۳۴ء میں کیا تھا، بلاتردد علوم کی اسلامی تشکیل (Islamization of knowledge) کے تصور و خیال[۹۷] کا نقیب قرار دیا جاسکتا ہے۔[۹۸]

سائنسی مواد و منہاج کے علاوہ محمد اسد ریاستی اداروں کی تشکیلات کے سلسلہ میں بھی مغرب کے اجتہادات و تجربات سے استفادہ کے حق میں ہیں، مثلاً وہ حکومت کی تشکیل کے سلسلہ میں مغرب میں رائج انتخابات کے طریق کار کو ایک بہترین طریقہ خیال کرتے ہیں۔ امریکہ میں رائج صدارتی نظام حکومت کو اسلامی نظام حکومت کے زیادہ ہم آہنگ دیکھتے ہیں۔ مغربی تہذیب و تمدن سے اخذ و اکتساب کے ضمن میں اسد کے خیالات کا لب لباب یہ ہے:

۱۔ اسلام کے عقائد ، اس کا نظام اخلاقیات و معاشرت، اس کی تہذیب اور اس کے معیارات خیروشر بہرطور مغرب کے فکروفلسفہ ، اس کے نظریہ حیات و کائنات، اس کے تہذیبی و معاشرتی اقدار و طرزحیات سے انتہائی درجہ برتر و فائق ہیں، لہٰذا اس باب میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں کو مغرب سے کچھ لینے کی ہرگز کوئی ضرورت نہیں۔

۲۔ صرف اور صرف ایک ہی چیز ایسی ہے جس کا مغرب سے اخذ و اکتساب مسلمانوں کے لئے منفعت بخش ہوسکتا ہے اور وہ قطعی طبعی علوم (exact sciences) ہیں، البتہ وہ بھی اپنی خالص اور اطلاقیاتی صورت میں۔ ملت اسلامیہ کو مغرب کے فکر و فلسفہ کے بارے میں محتاط روش اختیار کرنی چاہیے۔

۳۔ مغربی دنیا سے سائنسی علوم کی طلب و جستجو دنیائے اسلام کے لئے ایک ناگزیر صورت کا درجہ

رکھتی ہے تاہم اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے کسی مسلمان کا مغربی تہذیب کو اسلامی تہذیب سے برتر و فائق گردانا اور پھر اس کی تقلید و نقالی کرنا ہرگز مناسب نہیں۔

گویا محمد اسد مغربی تہذیب سے استفادہ کے بارے میں اخذو انتخاب (pick and choose) کے رویے ہی کو مناسب خیال کرتے ہیں۔پروفیسر خورشید احمد کا اس رویے کے بارے میں کہنا یہ ہے کہ: ''اسلامی نشاۃ ثانیہ کا موجودہ مرحلہ تقاضا کرتا ہے کہ مغربی نمونوں (models) کی غلامانہ نقالی سے احتراز کیا جائے اور ایک چھان پھٹک والی بصیرت اختیار کی جائے کہ بیرونی تہذیب سے کیا لینا چاہیے اور کیا نہ لینا چاہیے، خذما صفا و دع ما کدر کی میزان پر یہ کام انجام دینا وقت کی ضرورت ہے۔ اس سے ثبات اور لچک دونوں کے تقاضے پورے ہوسکتے ہیں۔ اگرچہ اسلامی معاشرہ بہت سے طریقوں سے مغربی تجربے سے فائدہ اٹھاسکتا ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اجنبی ثقافتوں کے تسلط کو اپنی ثقافت کی قیمت پر جاری رکھا جائے''۔[۹۹]

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا معاصر تہذیبوں سے اخذ و اکتساب کے سلسلہ میں اخذ و انتخاب (pick and choose) کا طریق کار قابل عمل بھی ہے کہ نہیں۔ مغربی دانش وروں کا ایک کثیر گروہ جس کے سرخیل آرنلڈ-جے ٹائن بی اور ہملٹن اے آر گب ہیں، اس حکمت عملی کو قطعی طور پر ناقابل عمل قرار دیتے ہیں۔ ٹائن بی کی رائے میں یہ بات عملاً ناممکن ہے کہ غیر مغربی اقوام جو جدید علوم و فنون خصوصاً سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں پس ماندہ ہیں، مغرب سے سائنس اور ٹیکنالوجی تو حاصل کرلیں جب کہ اس کی تہذیبی و سماجی اقدار اور ان کے رہن سہن کے طور طریقوں کی اثر پذیری سے خود کو محفوظ و مامون رکھیں یا ان کو مسترد کردیں۔ مغرب کا فلسفۂ حیات اور اس کی تہذیبی و سماجی اقدار اور اس کے علوم و فنون سب آپس میں گہرے طور پر مربوط و باہم پیوست ہیں اور دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ لہٰذا ان میں کسی ایک کو مسترد کرکے کسی دوسرے کو اخذو قبول کرنا بالفاظ دیگر اس معاملے میں اخذ و انتخاب (pick and choose) کی روش اختیار کرنا ممکن نہیں ہے۔مسلم دنیا کو بھی مغرب کی جدید سائنس و ٹیکنالوجی کے ساتھ ساتھ اس کی دوسری چیزوں کو بھی جلد یا بدیر اختیار و قبول (شعوری و لا شعوری طور پر) کرنا ہی پڑے گا۔[۱۰۰]

ہملٹن گب کی رائے میں بھی جدیدکاری (modernization) اور مغربیت (Westernization) دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ چنانچہ ایسے مسلم ممالک جہاں مغربی طرز کا اقتصادی نظام رواج پارہا ہے نیز جہاں مغرب سے ٹیکنالوجی حاصل کرکے صنعتی ترقی کا عمل پروان

چڑھ رہا ہے ان ممالک کا غرب زدگی سے محفوظ رہنا اور اس کے مقابلے میں اسلام کی سماجی و تہذیبی اقدار روایات پر قائم رہنا امر محال ہے۔[۱۰۱]

مغربی تہذیب وتمدن سے اخذ و اکتساب کے بارے میں آرنلڈ ٹائن بی اور ہملٹن گب کا تجزیہ و نقطۂ نظر خواہ کچھ بھی ہو، محمد اسد ہی نہیں دوسرے سر آوردہ مسلم مفکرین بھی مغرب سے ہر چیز خوب چھان پھٹک کر اخذ و قبول کرنے کے حامی ہیں۔ یہ کوئی ناممکن چیز بھی نہیں ہے۔ نظام تعلیم کو صالح بنیادوں پر استوار کرکے اور جدید نوجوان نسل کے دل و دماغ میں جذبہ اسلامیت بیدار کرکے یہ منزل، جو انتہائی کٹھن اور دشوار گزرا ہے، سر کی جاسکتی ہے۔ مغرب سے بلاروک ٹوک اور چھان پھٹک کے بغیر اخذواکتساب سے متعلق محمد اسد کا یہ کہنا کہ ''مسلمانوں کی مادی حالت تو شاید بہتر ہوجائے گی، البتہ اس سے جو نقصان لازم آئے گا وہ اس کے مقابلے میں بہت بھاری ہوگا''،[۱۰۲] ایک ایسی کھلی ہوئی حقیقت ہے جس کا انکار ممکن نہیں۔ غرضیکہ امت مسلمہ مغربی تہذیب سے اخذ و اکتساب کے اس سلسلہ میں حزم و احتیاط کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دینے کی متحمل نہیں ہوسکتی۔

اسلام اور مغرب-مکالمہ و مفاہمت

اسد نے اسلام اور مغرب کے مابین عمیق و وسیع اختلافات اور باہمی کشمکش کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے اس سے ہرگز یہ مراد نہیں کہ وہ اسلام اور مغرب کے مابین مکالمہ و مفاہمت کو ناممکن قرار دے کر ان کے باہمی تصادم کو ناگزیر خیال کرتے ہیں۔[۱۰۳] امر واقعی یہ ہے کہ وہ اسلام اور مغرب بالفاظ دیگر عالم اسلام اور دنیائے مسیحیت کے مابین مکالمہ و مفاہمت کو انسانیت کے حال اور مستقبل کی بہتری اور اس کی نجات و فلاح کے لیے انتہائی ناگزیر خیال کرتے ہیں۔[۱۰۴] چنانچہ انہوں نے اس میں حائل رکاوٹوں کا جائزہ لیتے ہوئے ان مثبت بنیادوں کی نشان دہی بھی کی ہے جن پر مکالمہ و مفاہمت باہمی کے عمل کو استوار کیا جاسکتا ہے۔

اسد کے نزدیک دنیائے اسلام اور مغرب کے مابین مکالمہ و مفاہمت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ باہمی بداعتمادی (mutual distrust) ہے۔ مسلمانوں کی بھاری اکثریت کی مغرب کے بارے میں بداعتمادی و بدگمانی گزشتہ دو صدیوں کے دوران میں آزاد مسلم ممالک پر مغرب کی استعماری طاقتوں کے غاصبانہ تسلط اور محکوم مسلم اقوام کے ساتھ ان کی طرف سے روا رکھے جانے والے جارحانہ و غیر منصفانہ برتاؤ کے سبب سے ہے۔ ان کی رائے میں نوآبادیاتی دور اب بھی ختم نہیں ہوا ہے۔ کم و بیش ہر مسلمان ملک مغربی طاقتوں کی چیرہ دستیوں کی زد میں ہے۔ مزید برآں غیر ملکی تسلط سے

آزادی وحق خود ارادیت کے حصول کے لیے مختلف مسلم اقوام کی جدوجہد [کشمیر، فلسطین، بوسنیا، چیچنیا، پٹانی، مورو لینڈ وغیرہ وغیرہ میں] کے بارے میں مغرب کا رویہ انتہائی امتیازی اور غیر منصفانہ ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ زیادہ تر مغربیوں کا اسلام کے بارے میں رویہ متعصّبانہ و معاندانہ اور گہرے نفاق کا مظہر ہے۔ چنانچہ ایک طرف وہ اسلامی تمدن کے رومانوی پہلوؤں مثلاً اَلْف لَیْلَة وَ لَیْلَة جیسی داستانوں اور خیالی قصوں، عمر خیام کی شاعری یا پھر الحمراء (اندلس) کے طرزِ تعمیر اور اس کے حسن و جمال کی خوب ستائش کی جاتی ہے تو دوسری طرف پیغمبر اسلامؐ کے بارے میں ہرزہ سرائی اور آپؐ کی اہانت وتنقیص کا سلسلہ ہے کہ ختم نہیں ہوپاتا۔ بدیں وجہ مسلمان اہل علم وفکر کی اکثریت مغرب کے بارے میں بدگمان ہے۔ چنانچہ مغرب اور عالم اسلام کے مابین مثبت تعلقات کا قیام باہمی عزت و احترام اور ایک دوسرے کے حقوق کو حقیقی معنوں میں تسلیم کرنے سے ہی ممکن ہوسکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک عالم مغرب مسلمانوں کے دین، ان کی مقدس مذہبی شخصیات اور ان کے تہذیبی و سماجی اصول و اقدار کے بارے میں معاندانہ رویہ ترک نہیں کرتا ان کے بارے میں اپنے قدیم متعصّبانہ رویے میں مثبت تبدیلی کا مظاہرہ نہیں کرتا اور مسلمانوں کے جائز سیاسی مقام و حیثیت اور حقوق کو تسلیم نہیں کرتا، مزید برآں وہ مسلم ممالک میں اسلامی بیداری کی تحریکوں کو ان کے صحیح تناظر میں دیکھنے اور ان پر شدت و جنونیت پسندی (fanaticism) اور طرح طرح کے دوسرے القابات چسپاں کرنے کا سلسلہ موقوف نہیں کرتا، دنیائے اسلام سے اس کے تعلقات میں بہتری نہیں آسکتی[۱۰۵] اور نہ ہی اس (مغرب) کے بارے میں مسلمانوں کے دلوں میں موجود نفرت و بدگمانی دور ہوسکتی ہے۔[۱۰۶] گویا محمد اسد کے نزدیک اسلام اور دنیائے مغرب کے مابین مفاہمت کی راہ میں تین بڑی رکاوٹیں یعنی مغرب کا استعماری و نوآبادیاتی کردار، دنیائے اسلام کے مسائل و معاملات میں مغربی اقوام کا معاندانہ طرز عمل و دوہرے معیارات اور مغربی استشراق ہے۔[۱۰۷] چنانچہ مکالمہ و مفاہمت کو نتیجہ خیز بنانے کے لیے ضروری ہے کہ مغرب ان امور کے متعلق اپنے رویے میں مثبت تبدیلی پیدا کرے۔ اسد اسلامی و مغربی دنیاؤں میں مفاہمت کے عمل میں مغرب، جو سیاسی، اقتصادی اور عسکری قوت کے اعتبار سے دنیائے اسلام پر فوقیت و بالادستی رکھتا ہے، کی طرف سے پہل (اقدام) کو ضروری خیال کرتے ہیں۔[۱۰۸] وہ مغرب سے دنیائے اسلام کے بارے میں انصاف پسندی اور خیرسگالی کا رویہ اختیار کرنے کا بھی مطالبہ کرتے ہیں:

We Muslim must demand a greater measure of fairness in the Christian attitude towards us: in other words, we demand and

expect that the Christian Occident should cease to apply, as it has hitherto been doing, different standards to our and their own concerns. If liberty is something valuable, it must be recognized as a moral and political right not only of the peoples of the West but of the Muslim peoples as well. All in all, it is high time for the occident to show its good will towards the Islamic World. ......it is the moral duty of the Christians to approach the problems of the Islamic World in the same spirit of justice and fair-play as they approach, and demand for, their own concerns.[۱۰۹]

اسد نے ان دونوں متحارب فریقوں کے مابین باہمی تعاون اور مفاہمت کی بنیادوں اور تدابیر کا بھی جائزہ لیا ہے۔ ان کی رائے میں اسلامی و مسیحی دنیاؤں کے درمیان مفاہمت اسلام اور عیسائیت کی حقیقی روح کی بنیاد پر ہی ہوسکتی ہے۔ اسلام اور عیسائیت کے عقائد و تعلیمات میں کتنا ہی بُعد کیوں نہ ہو دونوں کے اخلاقیاتی و اخلاقی اقدار و ضوابط (ethical and moral valuations) میں بہت حد تک ہم آہنگی پائی جاتی ہے اور یہی چیز ان کے مابین تعاون و مفاہمت کا حقیقی سبب بن سکتی ہے۔ دونوں فریقوں کے مابین مفاہمت کی بنیاد اور اس کا نکتہ آغاز مذہب ہی ہوسکتا ہے۔[۱۱۰] اسد نے اسلام اور مغرب کے مابین مفاہمت و مکالمہ کے لیے اسلام اور عیسائیت کے درمیان موجود مشترکہ اقدار کو بنیاد بنانے کی جو بات کی ہے آرنلڈ جے ٹائن بی[۱۱۱] ڈبلیو-مانٹ گمری واٹ[۱۱۲] کے علاوہ بعض مسیحی مذہبی رہنما[۱۱۳] بھی اس کے حامی نظر آتے ہیں۔ تاہم وہ مغرب کے استعماری عزائم اور اس کے جارحانہ و معاندانہ رویے سے متعلق عالم اسلام کے خدشات و ذہنی تحفظات کو یکسر نظر انداز کرجاتے ہیں۔[۱۱۴]

مغرب میں دعوت و تعارف اسلام کی ضرورت و اہمیت

محمد اسد کو اس حقیقت کا بھی بخوبی احساس ہے کہ مغربیوں کا از خود اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں اپنی قدیم ذہنیت کو بدلنا کوئی آسان کام نہیں۔ اس بات کے امکانات انتہائی حد تک کم ہیں کہ مغرب عدل و انصاف اور احترام باہمی کے اصولوں پر مسلمانوں سے مکالمہ و مفاہمت چاہے گا۔[۱۱۵] دریں صورت وہ (اسد) اسلام اور مغرب کے درمیان مفاہمت بلکہ صحیح تر معنوں میں اسلام

اور مسلمانوں کے بارے میں مغرب کی بدگمانیوں اور غلط فہمیوں کے ازالے ،کہ اسی صورت میں ان کی نظر میں مغرب کے رویے میں کسی مثبت تبدیلی کی امید کی جاسکتی ہے، کی غرض سے مغربی دنیا میں حکمت و بصیرت کے ساتھ اسلام کی دعوت و تبلیغ کو انتہائی حد تک ضروری خیال کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں مغربی ممالک میں مؤثر انداز میں اسلام کے عقائد و تعلیمات کا تعارف ہی اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں مغربیوں کے صدیوں پرانے تعصّبات اور غلط فہمیوں کے ازالہ کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ اسد اس امر کے شاکی ہیں کہ موروثی مسلمانوں نے ماضی میں اہل مغرب کے سامنے مؤثر، دلنشین اور قابل فہم انداز میں اہل مغرب کے محاورہ (diction)میں نیز ان کی ذہنی وفکری سطح کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسلام کو پیش کرنے کی انتہائی کم کوشش کی ہے۔ اسد کے الفاظ ہیں:

> On the other hand, the Muslims themselves must become fully conscious of the fact that untill now they have done very little to make the teachings of Islam fully understandable to the West. A new, cogent presentation of Islam by Muslim thinkers and writers is dispensable for a mutual understanding between the two worlds of faith: for, the ideology of Islam contains many a points which is not a priori clear or intellectually appealing to a Christian. ......Hence, it is the moral duty of the Muslims to bring the intellectual premisses of Islam closer to the understanding of the Christians.(١١٦)

ترجمہ: ’’مسلمانوں کو اس حقیقت کا پورا پورا شعور و ادراک ہونا چاہیے کہ اب تک انہوں نے اسلام کو اہل مغرب کے سامنے معقول و قابل فہم اور مؤثر و دلنشین انداز میں پیش کرنے کی بہت کم کوشش کی ہے۔ اسلام اور دنیائے مغرب کے مابین مفاہمت کے لیے یہ امر انتہائی ناگزیر ضرورت کا درجہ رکھتا ہے کہ مسلمان مفکرین و مصنفین اہل مغرب کے سامنے اسلام کی تعلیمات کو مؤثر اسلوب اور پیرائے میں پیش کریں۔ یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ اسلامی نظریۂ حیات کے بہت سے اصول اور نکات ایسے ہیں جو مغرب کے مذہبی و تہذیبی ماحول میں پلے بڑھے افراد کے لیے بظاہر کوئی جاذبیت اور کشش نہیں رکھتے۔ دریں صورت مسلمانوں کا مذہبی و اخلاقی فریضہ ہے کہ وہ اسلام کے عقلی و دانش

مندانہ اصول (intellectual premisses of Islam) کو مغرب کے مسیحیوں کے فہم کے قریب تر لائیں''۔

اسد مغرب کے عامۃ الناس کی اسلام سے دوری کا ذمہ دار بڑی حد تک موروثی مسلمانوں ہی کو گردانتے ہیں:

> However, what may be described as "the popular mind" of Europe and America has not yet been able to achieve a balanced attitude vis-a-vis Islam and things Islamic. To a large extent it is the Muslims themselves who are to blame for this state of affairs. On the one hand, they have not succeeded in presenting Islamic thought to the West in a continued, systematic manner, taking Western mentality and Western literary associations fully into consideration; and, on the other hand, Muslim assertions of their religious and socio-political aims are often too strident to be regarded as valid, objectively justified expressions in the necessary dialogue between Islam and the West.(١١٧)

ترجمہ: ''جہاں تک اسلام کے بارے میں یورپ اور امریکہ کے عمومی ذہن کا تعلق ہے، اس میں اسلام اور اس سے متعلقہ امور کے بارے میں متوازن رویہ دیکھنے میں نہیں آیا، بڑی حد تک اس کی ذمہ داری مسلمانوں پر عائد ہوتی ہے۔ ایک طرف وہ مغرب میں اسلامی فکر کو اور اسلام کے پیغام کو مسلسل اور کسی قاعدہ قرینہ سے پیش نہیں کرسکے ہیں کیونکہ انہوں نے مغربی ذہنیت اور مغربی میلانات و رجحانات کو پیش نظر نہیں رکھا۔ دوسری طرف مسلمانوں نے اپنے مذہب اور سماجی و سیاسی مقاصد کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ بہت تند و تیز ہے اس لئے اس کو معقول تصور نہیں کیا گیا، حالانکہ اسلام اور مغرب میں مکالمہ کے لئے معقول اور مدلل بات کہنے کی ضرورت ہے''۔

اسد نے مغرب میں دعوت اسلام کے ضمن میں (موروثی) مسلمانوں کی جس غفلت و کوتاہی اور اہل مغرب کی ذہنی و فکری سطح کو مدنظر رکھتے ہوئے تعارف اسلام کی جس ضرورت کا ذکر کیا ہے اس کا احساس بعض دوسرے اہل علم و فکر کو بھی ہے۔ سید ابوالحسن علی ندوی نے تو ماضی میں مغرب میں

دعوت اسلام کے سلسلہ میں پیروایانِ اسلام کی کوتاہی کو تو اسلامی تاریخ کا ایک دلخراش بلکہ شرمناک واقعہ قرار دیا ہے۔(۱۱۸) ان کے خیال میں ''اگر مغربی دنیا اور اسلام کا سنجوگ ہوجاتا تو آج دنیا کی تاریخ کچھ اور ہی ہوتی لیکن افسوس ہے کہ ایسا نہیں ہوسکا جس کا نتیجہ سزا کے طور پر آج اسلامی ممالک بھگت رہے ہیں۔ آج اسلامی ممالک جس غلامی میں مبتلا ہیں اور مغرب کے ارادوں کے جس طرح وہ تابع ہوگئے ہیں، مغرب جو معاملہ کررہا ہے اور جو کھیل کھیل رہا ہے،...... وہ سزا ہے مسلمانوں کی اس کوتاہی کی کہ مسلمانوں نے وقت پر اس کو خدا کا پیغام نہیں سنایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام سے آشنا نہیں بنایا''۔(۱۱۹) محمد اسد کی طرح سید ابوالحسن علی ندوی یہ بھی کہتے ہیں:

> ''یہ آج ہمارا کام ہے کہ اسلام کا ایک ایسا متوازن ، ایسا جامع تخیل ان کے سامنے پیش کریں کہ وہ یہ سمجھیں کہ اسلام ہی ان کی صحیح رہنمائی کرسکتا ہے۔ اگر امریکہ کا اسلام سے، نبوت محمدی سے، آسمانی تعلیمات سے، اسلامی اقدار سے رشتہ قائم ہوجائے تو آج ساری دنیا پر رحمتوں کے دروازے کھل جائیں۔ آج دنیا کی قسمت بدل جائے، جنگوں کے بادل چھٹ جائیں، دلوں سے نفرت دور ہوجائے اور انسان انسان کا شکاری نہ رہے''۔(۱۲۰)

محمد اسد نے اسلام اور مغرب کے درمیان تصادم وکشمکش کو مفاہمت میں بدلنے کے لئے مغرب میں دعوت وتبلیغ اسلام کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ موجودہ حالات میں جب کہ امریکہ اپنے یورپی اتحادیوں اور مسلم گماشتوں اور حاشیہ برداروں سمیت پوری قوت و طاقت سے دنیائے اسلام سے برسر جنگ ہے، انتہائی اہمیت رکھتے ہیں۔ رعونت وتکبر میں مبتلا اور جنگی و اقتصادی طاقت کے نشے میں بدمست امریکہ و یورپ کبھی مسلمانوں سے عدل و انصاف اور پر امن بقائے باہمی کے اصولوں پر مکالمہ و مفاہمت کو تیار نہ ہوں گے۔ دنیائے اسلام میدان جنگ میں امریکہ اور مغربی ممالک کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہے۔ دریں حالات اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ محمد اسد کی بتائی ہوئی تدبیر پرعمل کیا جائے۔مسلم دانش ور اور مصنفین ، مادیت اور حرص و ہوس کی ستائی ہوئی مغرب کی بے چین روحوں کے سامنے اسلام کی دعوت کو مؤثر طور پر پیش کریں اور ان کو حلقہ بگوش اسلام بنانے کا کام انجام دے کر دنیائے اسلام کو مغرب کے شر سے محفوظ کرلیں۔

مغرب میں دعوت اسلام- محمد اسد کی کاوشوں کا جائزہ

مغرب میں دعوت و تبلیغ اسلام کا کام جتنا اہم اور ضروری ہے اتنا ہی مشکل اور نازک بھی ہے۔ چنانچہ وہ مسلم دعاۃ اور مبلغین سے خصوصی علمی استعداد اور اعلیٰ دماغی صلاحیتوں کا متقاضی ہے۔ مغرب میں دعوت اسلام کے وظیفہ کی بجاآوری کے لئے ضروری ہے کہ مبلغین و دعاۃ علوم اسلامیہ میں گہرا درک رکھتے ہوں، یہودیت و مسیحیت کے عقائد و تعلیمات سے بھی بخوبی آگاہ ہوں۔ وہ مغربی زبانوں پر دسترس رکھتے ہوں۔ مزید برآں اہل مغرب کی ذہنی و فکری سطح ان کی مذہبی نفسیات اور ان کے اسلوب تحریر و تقریر سے بھی آشنا ہوں بلکہ اس میں خوب اعلیٰ درجے کی مہارت رکھتے ہوں۔ جرمن نومسلم دانش ور مراد ہوف مین کے بقول:

> ''روزمرہ کا مشاہدہ اور تجربہ سے اور یہ امر انتہائی افسوس ناک بھی ہے کہ موروثی مسلمان بہت زیادہ حد تک مغربی دنیا کو اپنے عقیدہ و مذہب کی تبلیغ مؤثر طور پر کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ آخر کیوں؟ اس لئے کہ ایک مغربی انسان کا طرز فکر، اس کی ذہنی ساخت اور مذہبی نفسیات ایک مشرقی انسان سے بہت مختلف ہوتی ہے۔ لہٰذا ان تک دعوت پہنچانے کے لئے داعی کو چاہیے کہ وہ ان کے ذہنی و فکری ارتقاء اور اسلام کے بارے میں ان کی تاریخی غلط فہمیوں کا لحاظ رکھے''۔[۱۲۱]

ایک دوسرے نامور نومسلم دانش ور حسن عبدالحکیم Gai Eaton نے بھی مغرب میں دعوت و تبلیغ اسلام بالفاظ دیگر مغرب میں اسلام کے تعارف کے سلسلہ میں موروثی مسلمانوں- جن میں روایت پسند اور تجدد پسند دونوں طرح کے لوگ شامل ہیں- کے اسلوب تحریر و تقریر کے غیر مؤثر ہونے اور اہل مغرب کی طرف سے درپیش مذہبی نوعیت کے اہم سوالات کے اسلامی نقطۂ نظر سے تسلی و اطمینان بخش اور مؤثر و دلنشیں جوابات پیش نہ کرنے کا شکوہ کیا ہے۔[۱۲۲] مذکورہ دونوں نومسلم دانش ور بھی، جو مسیحیت سے اسلام کی طرف اپنے ذہنی و قلبی سفر کے تجربے سے گزر چکے ہیں، مغرب میں تعارف دعوت اسلام کے سلسلہ میں اہل مغرب کے ذہن و نفسیات اور ان کے اسلوب تحریر و تقریر نیز دین اسلام کے بارے میں ان کے رویے سے گہری واقفیت کو ناگزیر ضرورت قرار دیتے ہیں۔ مراد ہوف مین کی رائے میں ''یہ بات واضح طور پر ثابت ہوچکی ہے کہ مغرب کی تمام غلط فہمیوں کے ڈانڈے تاریخی حقائق و ارتقاء سے جا ملتے ہیں۔[لہٰذا] کوئی بھی شخص جو اس تہذیبی پیش رفت سے آگاہ نہیں ہے مغرب میں دعوت و تبلیغ کا فرض کامیابی سے ادا نہیں کرسکتا۔ چنانچہ کسی بھی خطے میں دعوت کا کام وہی کریں جو اس خطے کی مخصوص تہذیبی روایات میں پیدا ہوئے ہوں یا پلے بڑھے ہوں۔ داعی کو پتہ

ہونا چاہیے کہ تبدیلی لانے اور قائل کرنے کے لیے کیا کرنا ضروری ہے۔ اسلام کو ان غلط فہمیوں کا جواب انہی لوگوں کے ذریعے دینا چاہیے جو مخاطبین اور سامعین کے سامنے ان کی بولی انہی کے لب و لہجہ میں بولتے ہوں''۔[۱۲۳]

مغربی دنیا سے تعلق رکھنے والے مذکورہ دونوں نومسلم دانش وروں (مراد ہوف مین اور حسن عبدالحکیم) نے مغرب میں دعوت و تبلیغ اسلام کی حکمت عملی کے بیان میں جن ضروری شرائط اور مطالبات کا ذکر کیا ہے اور ایک کامیاب داعی و مبلغ کے لئے جو معیار مقرر کیا ہے، دعوت و تبلیغ کے میدان میں سرگرم عمل خال خال ہی ایسے افراد ہوں گے جو اس پر پورا اترتے ہوں گے۔ تاہم محمد اسد اپنے معاصر ڈاکٹر محمد حمیداللہ (۱۹۰۸-۲۰۰۲ء) کی طرح ہر اعتبار سے اس پر پورا اترتے تھے۔[۱۲۴]

اسد اپنے خاندانی و مذہبی اور تہذیبی و سماجی پس منظر اور اپنے وسیع و عمیق مطالعہ اسلام پھر اعلیٰ ادبی صلاحیتوں کی بدولت اہل مغرب کے سامنے اسلام کی ترجمانی کا وظیفہ بہتر طور پر انجام دینے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ وہ مغرب میں دعوت اسلام کی راہ میں درپیش رکاوٹوں کا بھی گہرا ادراک رکھتے تھے۔ سب سے اہم یہ کہ **کلموا الناس علی قدر عقولهم** کے مصداق وہ اہل مغرب کے سامنے مذہبی امور و مسائل پر انہی کی زبان اور محاورے میں بحث و گفتگو کرنے اور اسلام کے عقائد و تعلیمات کی مؤثر دلنشین اسلوب و پیرائے میں تفہیم و تشریح پر یدطولیٰ رکھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی اعلیٰ ادبی صلاحیتوں سے کام لیتے ہوئے بڑی سبک دستی اور مہارت سے اہل مغرب کے سامنے اسلام کی دعوت- بذریعہ تحریر و تقریر ہر دو طرح سے- پیش کی۔ مغرب میں دعوت و تعارف اسلام بالفاظ دیگر اسلام، پیغمبر اسلام اور اسلامی تہذیب و تمدن اور نظام معاشرت کے بارے میں اہل مغرب کی غلط فہمیوں کا ازالہ اور ان کے سامنے اسلام کی حقیقی و اصلی تصویر پیش کرنا،نیز اسلام کے عقائد و تعلیمات اور اس کے احکام و مسائل کی ان کی ذہنی سطح کی رعایت کرتے ہوئے ترجمانی و تشریح کرنا اسد کی جملہ تصنیفی سرگرمیوں کا اہم اور بنیادی مقصد و غایت معلوم ہوتا ہے۔ اسد نے اپنی خود نوشت سرگزشت حیات The Road to Mecca کی تصنیف میں سراسر اسی مقصد کو پیش نظر رکھا ہے وہ اپنی سرگزشت حیات (The Road to Mecca) کی غایتِ تصنیف کے بارے میں لکھتے ہیں:

''میں نے سنجیدگی سے غور کیا کہ اپنی زندگی کی کہانی لکھ ڈالوں اور اس کے ذریعہ سے، خواہ کتنے ہی مختصر پیمانے پر سہی میں اس دبیز پردہ کے اٹھانے میں مدد کروں، جو مغربی ذہن اور اسلام کے درمیان حائل ہے۔ میں نے اسلام کو عجیب و غریب راستہ سے پایا۔ میں نے خیال کیا کہ کیا یہ

صورت زیادہ بہتر نہ ہوگی کہ میں اسلام اور مسلم تہذیب و معاشرت کے بارے میں ذاتی تأثرات و تجربات کو مغربی قارئین تک پہنچاکر، اسلامی اور مغربی دنیاؤں کے درمیان باہمی مفاہمت میں مدد گار ثابت ہوں۔ آخر کتنے لوگ ہیں جو مغربیوں سے اسلام کے متعلق میری طرح سے بات کرسکتے ہیں۔ میں مسلمان ہوں اور ساتھ ہی ساتھ نسلی اعتبار سے مغربی ہوں۔ اس لیے میں اسلام اور مغرب دونوں ہی کی عالمانہ زبانوں میں بحث و گفتگو کرسکتا ہوں''۔[۱۲۵] اہل مغرب کو اسلام، جیسا کہ وہ ہے، سے متعارف کرانے کا جذبہ اورلگن اسد کی دوسری تصانیف میں بھی کارفرما نظر آتی ہے۔[۱۲۶] اسلام میں مملکت و حکومت کے بنیادی اصول کے موضوع پر اپنی کتاب کے دیباچہ میں انہوں نے لکھا:

> I am now placing it a new before the public in the hope that it may contribute something towards a realization of the great dream common to all those to whom "Islam" is more than an empty word, as well as towards a better understanding of Islamic ideology by the non -Muslim West - an understanding so vitally needed in our time.[۱۲۷]

گویا اس کتاب کی تصنیف سے اسد اسلامی ریاست کے بارے میں اہل مغرب کی غلط فہمیوں کا ازالہ چاہتے ہیں۔ انہوں نے قرآن حکیم کے ترجمہ وتفسیر میں بھی اپنے اس مقصد کو پوری طرح سے پیش نظر رکھا ہے۔ وہ اس کے ذریعے سے اہل مغرب کو قرآن کے پیغام سے آ گاہ کرنا چاہتے ہیں۔ مستشرقین نے قرآن حکیم کے بارے میں مغربی دنیا کے ذہنوں میں جو غلط فہمیاں پیدا کررکھی ہیں اسد اپنی ترجمہ وتفسیر قرآن *The Message of the Qur'an* کے ذریعے ان کے ازالہ کے لئے کوشاں نظر آتے ہیں۔[۱۲۸] تحریر و تصنیف کے ساتھ ساتھ وہ مغربی ممالک کے بعض مؤقر علمی و تحقیقاتی مراکز (رائل انسٹی ٹیوٹ آف انٹرنیشنل افیئرز-لندن-وغیرہ) کے علاوہ ان ممالک میں سرگرم مختلف اسلامی تنظیموں-مسلم اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن (یو-ایس-اے) اور اسلامک کونسل آف یورپ (لندن) وغیرہ کی طرف سے منعقدہ کانفرنسوں اور مجالس مذاکرہ میں محاضرات و خطبات پیش کرتے رہے۔[۱۲۹] علاوہ ازیں مختلف مغربی ممالک میں ریڈیو اور ٹیلی ویژن پروگراموں میں بھی اسلامی مسائل و موضوعات پر اسلام کے مؤقف کی ترجمانی کے علاوہ اسلام کا تعارف پیش کرتے رہے۔[۱۳۰] جنیوا میں قیام کے دوران میں بھی محمد اسد ترجمہ وتفسیر قرآن میں مشغولیت و انہماک کے ساتھ ساتھ تعارف و ترجمانی اسلام کا وظیفہ بھی انجام دیتے رہے۔ چنانچہ مختلف اسلامی موضوعات

و مسائل پر ان کی سوئس ریڈیو سے گفتگوئیں نشر ہوتی رہیں۔[۱۳۱] سوئس ریڈیو سے نشر ہونے والی ایک گفتگو سے متعلق رقم طراز ہیں:

> I was invited by the Swiss radio to deliver a very long talk on Islam-since this talk was a very important one (it was a part of a cycle of talks by some of Europe's leading intellectuals on various important questions of the Present time), I had to prepare it very carefully and consequently to spend some time on it..... this talk, I understand has caused a very great response from the public.[۱۳۲]

اسد نے ان خطبات میں اسلام اور مغرب کے مابین تصادم و کشمکش کے اسباب و محرکات کا جائزہ لینے کے علاوہ ان دونوں کے مابین مکالمہ و مفاہمت کی حکمت عملی پر اظہار خیال کیا۔ ان خطبات میں اسد نے دین اسلام کو انسانیت-خصوصاً اہل مغرب- کے لئے راہ نجات اور فلاح و سعادت کے طور پر پیش کیا۔[۱۳۳]

محمد اسد کا اسلوب دعوت اسلام

محمد اسد نے تہذیب و تمدن مغرب سے مرعوب و مسحور موروثی مسلمانوں، جو مذہب کو ایک فرسودہ و دور ازکار رفتہ چیز خیال کرتے ہیں، اور پھر اہل مغرب کے سامنے اسلام کی دعوت کو پیش کرتے ہوئے جو اسلوب اختیار کیا ہے اس کے حسب ذیل پہلو بطور خاص نمایاں ہیں:

۱۔ انہوں نے عملی زندگی کی تعمیر و تشکیل اور خیر و شر اور حق و باطل کے معیارات کی تعیین میں انسانی عقل و فہم کی کوتاہی و نقص اور اس کی درماندگی و عاجزی کو واضح و آشکارا کرتے ہوئے انسان کی روحانی و اخلاقی، معاشرتی و سیاسی اور معاشی زندگی کی تعمیر و تشکیل میں الہامی رشدو ہدایت کی احتیاج کو واضح و اجاگر کیا ہے۔

۲۔ انہوں نے تواتر و تسلسل کے ساتھ اپنی تحریروں میں دین اسلام کا یہودیت و مسیحیت سے جب کہ اسلامی تہذیب و معاشرت کا مغربی تہذیب و معاشرت سے تقابل و موازنہ کا طریق کار اختیار کیا ہے۔ یہودیت و مسیحیت کے عقائد و تعلیمات پر تنقیدی نگاہ ڈالی ہے۔ ایک متوازن و صالح معاشرہ کے قیام میں، جو افراد کی روحانی و اخلاقی اور مادی و جسمانی احتیاجات کی تکمیل اور اس کی ذہنی و فکری صلاحیتوں کے نشو و نما میں معاون ہو، ان کی ناکامی کے اسباب کا جائزہ

پیش کرتے ہوئے اس باب میں دین اسلام کی قوت و صلاحیت اور اس کی کامرانیوں کو اجاگر کیا ہے۔ مزید برآں انہوں نے مذہب سے مغربی دنیا کی بغاوت و انحراف اور اس روش کے نتیجے میں رونما ہونے والی تباہ کاریوں کو صراحت سے بیان کیا ہے۔ مغربی تہذیب و تمدن اور اس کے طرز حیات کے منفی و تاریک پہلوؤں کو نمایاں کرتے ہوئے، اس پر اسلامی تہذیب و معاشرت کی فضیلت و برتری کو ثابت کیا ہے۔ اسلامی تہذیب و معاشرت کے محاسن و خصائص کو انہوں نے نہایت عمدگی و متأثر کن انداز میں بیان کیا ہے۔

۳۔ اسد نے عالم انسانی خصوصاً دنیائے مغرب کو درپیش گوناں گوں مسائل کی گھتیوں کو سلجھانے میں مغرب کے سیاسی و معاشی نظاموں کی ناکامی و درماندگی کی وضاحت کے ساتھ ساتھ اس کے لئے ایک نئے معاہدہ عمرانی (social contract) کی احتیاج واضح کی ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے اسلام کو ایک متبادل معاہدہ عمرانی اور راہ نجات و سعادت کے طور پر پیش کیا ہے۔(۱۳۴)

ان کی دعوت کا بنیادی و مرکزی نکتہ یہ ہے کہ تمام ادیان و مذاہب نیز انسانی عقل وفہم کے تراشیدہ نظریہ ہائے حیات کے مقابلے میں صرف اور صرف اسلام ہی ایک ایسا دین اور نظریۂ حیات ہے جو انسان کی روحانی و اخلاقی ضروریات کی تکمیل کا سامان فراہم کرنے کے ساتھ معاشرتی و سیاسی اور تہذیبی زندگی کا ایک جامع پروگرام پیش کرتا ہے۔ تاریخ اسلام کے ابتدائی عہد (عہد نبوی و خلافت راشدہ) میں اسلامی نظریۂ حیات کو عملی زندگی میں متشکل کرنے کا ایک انتہائی کامیاب تجربہ ہو چکا ہے۔ اسلام آج بھی ایک زندہ قوت ہے آج بھی انسانیت کو درپیش روحانی و اخلاقی اور سماجی و سیاسی مسائل اور الجھنوں کو سلجھانے کی پوری پوری قوت و صلاحیت رکھتا ہے۔ آج انسانیت جس قدر دین اسلام کی محتاج ہے شاید اس سے پہلے کبھی نہ تھی۔(۱۳۵)

محمد اسد نے اپنی سرگزشتِ قبول اسلام *The Road to Mecca* میں بھی دین اسلام کو جدید انسانیت کے لئے بطور راہ نجات و سعادت ، پیش کرتے ہوئے ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ان کے خیال میں عصر جدید کا انسان پیغام اسلام کا، عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے انسانوں سے بھی بڑھ کر محتاج ہے۔ آج کا انسان انفرادی طور پر ہی نہیں بلکہ جدید معاشرہ بحیثیت مجموعی نجات و فلاح کا محتاج ہے۔ اسد پورے یقین سے کہتے ہیں:

......the ideal placed before them by the Arabian Prophet thirteen

centursies ago...... I thought, that we latecomers needed that message even more desperately than did the people of Muhammad's time. ......The world in which I was living, the whole of it, was wobbling because of the absence of any agreement as to what is good and evil spiritually and, therefore, socially and economically as well. I did not believe that individual man was in need of "salvation": but I did believe that modern society was in need of salvation. More than any previous time, I felt with mounting certainty, this time of ours was in need of an ideological basis for a new social contract: it needed a faith that would make us understand the hollowness of material progress for the sake of progress alone- and nevertheless would give the life of this world its due; that would show us how to strike a balance between our spiritual and physical requirements: and thus save us from the disaster into which we were rushing headlong.(۱۳۶)

بلاشبہ محمد اسد نے اسلام کے عقائد و تعلیمات اور احکام و مسائل کی تعبیر و تشریح اس طور سے کی ہے کہ جو جدید انسان کے لئے قابل فہم ہو۔ جو بقول سید سلیمان ندوی اور سید ابوالاعلیٰ مودودی جدید ذہنیتوں کو اسلام کے حقائق ذہن نشین کراسکے اور دین و مذہب کے بارے میں ان کے شبہات کا ازالہ کرسکے۔(۱۳۷) دعوت اسلام کے سلسلہ میں اسد کے اسلوب و منہج کے مذکورہ خصائص ان کی جملہ تحریروں میں پوری طرح سے کارفرما نظر آتے ہیں۔ دعوت اسلام بالفاظ دیگر اسلام کی تفہیم و تشریح کے ضمن میں ان کے معاصرین میں سے سید ابوالاعلیٰ مودودی اور سید قطب شہید کے اسلوب میں بھی یہی رنگ نظر آتا ہے۔(۱۳۸)

محمد اسد کی علمی و فکری اور دعوتی کاوشوں کے اثرات و نتائج:

اگرچہ اسد کی تحریروں نے پشتینی مسلمانوں کے قلوب و اذہان کو بھی متاثر کیا ہے تاہم ان کی علمی و فکری اور دعوتی سرگرمیوں کا زیادہ اثر مغربیوں پر مرتب ہوا ہے۔(۱۳۹) ان کی تصانیف مغرب

میں اسلام کے مؤثر تعارف کا وسیلہ ثابت ہوئی ہیں، جن کے مطالعہ سے بیسیوں متلاشیاں حق کو راہ ہدایت نصیب ہوئی ہے۔ متعدد نو مسلم مغربی دانش وروں نے اسد کی نگارشات سے تحریک پاکر مغرب و مشرق میں اسلام کی ترجمانی و وکالت کی راہ اختیار کی ہے۔ ان میں مریم جمیلہ (ولادت: ۱۹۳۴ء) اور معروف جرمن سفارت کار مراد ہوف مان، جرمن نو مسلم اور قرآن مجید کی جرمن زبان میں مترجم فاطمہ گریم (ولادت: ۱۹۳۴ء/ مشرف بہ اسلام ۱۹۶۰ء) اور یونی ورسٹی آف ٹیکساس میں اسلامی و مشرق وسطیٰ کی تاریخ کے استاد اور اسلامک سنٹر Tucson کے روح رواں محمد اسد بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ مریم جمیلہ اپنے اسلام کی طرف کشاں کشاں چلے آنے میں محمد اسد کی سرگزشت قبول اسلام The Road to Mecca کی تاثیر و تحریک کی معترف ہیں تو ان کی Islam at the Crossroads کو اپنی ذہنی و فکری تشکیل میں ایک اہم عامل گردانتی ہیں۔ موصوفہ اسد کی مؤخرالذکر تصنیف پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> "The importance of this book cannot be overstated - as The Road to Mecca inspired her to embrace Islam, so Islam at the Crossroads not only left a decisive impact on her thought but also determined the direction of her entire literary career. Without this book, non of the reviewer's own books could have been written. A classic on the subject, It has exerted much influence on thinking Muslims throughout the World.(۱۴۰)

مراد ہوف مان بھی مریم جمیلہ کی طرح محمد اسد کی تصانیف اور افکار و خیالات سے گہرے طور سے متاثر ہوئے ہیں۔(۱۴۱) جرمن نومسلم فاطمہ گریم کو اسلام کے در پر لانے میں سید مودودی کے رسالہ دینیات کے انگریزی ترجمہ Towards Understanding Islam کے علاوہ محمد اسد کی The Road to Mecca نے فیصلہ کن کردار ادا کیا۔(۱۴۲) سڈنی (آسٹریلیا) کی نو مسلم تزین عبداللہ (Tazin Abdullah) بھی محمد اسد کی تحریروں بالخصوص ان کی سرگزشت قبول اسلام کے مطالعہ سے متاثر ہوکر مشرف بہ اسلام ہوئیں۔(۱۴۳) کچھ ایسا ہی ماجرا امریکی نومسلم ڈاکٹر محمد اسد (Michael Berdine، ولادت: ۱۹۴۵ء) جو اس وقت اسلامک سینٹر Tucson، (یو ایس اے) کے ایک اہم ذمہ دار اور یونی ورسٹی آف ٹیکساس میں اسلامی اور مشرق وسطیٰ کی تاریخ کے استاد ہیں، کے ساتھ پیش آیا۔(۱۴۴)

مغرب میں دعوت و تعارف اسلام کے ضمن میں محمد اسد کے دین(contribution) مغربی افراد کے قلوب و اذہان پر اثرات کے پیش نظر مراد ہوف مان کا کہنا یہ ہے:

We are close enough to the end of the 20th century to verify that nobody during the last 100 years has surpassed the Austrian Muhammad Asad (formerly Leopold Weiss of Jewish descent) in his monumental contribution to the explanation and propagation of Islam in the West. His impact is not only due to the respect paid to his deep wisdom and learning; the moral qualifications of this intrepid Muslim earned him equal recognition.(۱۴۵)

محمد اسد کی علمی و فکری اور دعوتی کاوشوں کی عصر حاضر میں معنویت و افادیت

بایں ہمہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ محمد اسد نے اسلام اور مغرب کے مابین رابطہ استوار کرنے ، ان دونوں کے مابین حائل خلیج کو پاٹنے اور ایک طرح سے پل سازی کا کارنامہ انجام دیا ہے۔ بالفاظ دیگر اہل مغرب کے سامنے اسلام کا حقیقی و اصلی رُخ پیش کرنے کی ایک مؤثر اور کامیاب کوشش کی ہے۔(۱۴۶) سہ ماہی مجلّہ اقراء (امریکہ) کے مدیر حسن ظل الرحیم کے الفاظ میں:

Muhammad Asad stood alone among contemporary Muslims for his extraordinary perception of, and contribution to Islam. With his command of the English language, his knowledge of the Bible and Biblical sources, as well as Jewish history and civilization, Asad was more successful than most in communicating to Muslim and non-Muslim readers the essence of Isalm in both its historical and timeless context. As Islam enters the most critical phase of its development in the West, Muhammad Asad's legacy assumes an urgency no thinking Muslim can afford to ignore.(۱۴۷)

۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کو وقوع پذیر ہونے والے واقعات کے بعد سے جس طور سے مغربی خصوصاً امریکی مستشرقین و مصنفین اور ذرائع ابلاغ نے اسلام اور اس کے پیروکاروں کو ہدف بنالیا ہے اور

دونوں کی جو انتہائی مسخ شدہ اور تاریک تصویر اہل مغرب کے سامنے پیش کی جارہی ہے،(۱۴۸) اس تناظر میں محمد اسد کی نگارشات کی افادیت پہلے کے مقابلے میں کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے۔ مغرب میں دعوت اسلام جیسے اہم کام سے دلچسپی رکھنے والوں کو اسد کے اسلوب سے یقیناً بڑی رہنمائی فراہم ہوسکتی ہے۔

حواشی

(۱) محمد اسد کے احوال و آثار، علمی و فکری کاوشوں اور تصانیف و تالیفات کے تعارف کے لیے ملاحظہ ہو:

Ismail Ibrahim Nawwab, "A Matter of Love: Muhammad Asad and Islam," *Islamic Studies,* 39:2 (2000), 155-232; Murad Hofmann, "Muhammad Asad: Europ's Gift to Islam," Islamic Studies, op. cit.,pp.233-248.

(۱-ب) اسلام اور مغرب کے مابین کشمکش کے اسباب کے بارے میں اسد کے خیالات کے بارے میں ملاحظہ ہو:

Islam at the Crossroads, Lahore: Sh. Muhammad Ashraf 6th edn, 1975 pp 62-82; Idem, *The Road to Mecca*, London: Max Reinhardt, 1954, pp. 3-7; Idem, *This Law of Ours*, Gibraltar: Dar-al-Andalus,1987, pp. 119-128.

اس موضوع پر دیگر متعدد مسلم و غیر مسلم مصنفین نے بھی اظہار خیال کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

Mahmoud M. Ayoub, "Roots of Christian-Muslim Conflict", *The Muslim World*, Lxxix:1 (1989): 25-45; Rollin Armour Sr, *Islam, Christianity and the West: A Troubled History*, New York: Orbis Books, 2000.

2) *Islam at the Crossroads*, p. 63

۳) صلیبی جنگوں کے بارے میں تفصیلی معلومات کے لئے ملاحظہ ہو:

S. Runciman, *A History of the Crusades*, 3 Vols., Cambridge: Cambridge University Press, 1951-54; Stanley Lane-poole, *Saladin and the Fall of the Kingdom of Jerusalem*, Lahore: Sind Sagar Academy (n.d.).

4) *Islam at the Crossroads*, pp. 66-68; *The Road to Mecca*, pp. 6-7

5) *The Road to Mecca*, pp. 6-7

6) *Islam at the Crossroads*, pp. 67,70-71; See also: *The Road to Mecca*, pp. 6-7

7) *Islam at the Crossroads*, p. 79

8) *Islam at the Crossroads*, p. 71.

صلیبی جنگوں کے اندلس کے مسیحی عوام پر اثرات نیز مسلمانوں کے خلاف ان کی وحشیانہ کارروائیوں کے بارے

میں ملاحظہ ہو:

T.B. Irving, *Islam Resurgent: The Islamic World Today*, Lahore: Suhail Academy, 1983, pp. 1-10, especially Ch.I (Andalusia and the Crusades: the European Face to Islam) pp. 11-23.

9) *Islam at the Crossroads*, p. 74

10) *Islam at the Crossroads*, p. 73

ممتاز فرانسیسی فلسفی و مصنف والٹیئر نے ۱۷۱۴ء میں La Fanatisme Ou Mahomet Le Prophet (Muhammad and Fanaticism) کے عنوان سے ایک ڈرامہ لکھا تھا جس میں حضرت محمدؐ کی ناقابل تسلیم تصویر پیش کی تھی کہ بعد میں اس نے اپنی ایک دوسری تحریر Essai sur Les moeurs (Essays on Morals) میں پیغمبر اسلامؐ کو ایک عظیم مدبر و حکمران کی صورت میں بھی پیش کیا۔ ملاحظہ ہو: ڈبلیو۔ مانٹ گمری واٹ، ''مستشرقین کا مطالعۂ اسلام'' (مترجمہ: سفیر اختر)، عالم اسلام اور عیسائیت، ۴:۸ (اکتوبر۔ دسمبر ۱۹۹۸ء)، ص ۳۳۔ مزید ملاحظہ ہو:

Hichem Djait, Europe and Islam, Berkeley: University of California Press, 1985, pp. 21-23.

Norman Daniel, *Islam, Europe and Empire*, Edinburgh: Edinburgh University Press, 1966, p. 25.

11) *The Road to Mecca*, p. 7

اسلام کے بارے میں مغرب کے رویے سے متعلق اسد نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے۔ تقریباً انہی کا اعادہ ایک دوسرے نومسلم فاضل و دانش ور حسن عبدالحکیم (Gai Eaton) نے بھی کہا ہے۔ ملاحظہ ہو:

Gai Eaton, *Islam and the Destiny of Man*, Lahore: Suhail Academy, 1997, pp. 16-19

۱۲) نارمن ڈینیئل (Norman Daniel) غالباً پہلا غیرمسلم مغربی مصنف ہے جس نے قرون وسطیٰ اور عہد جدید کے مغربی مسیحی و یہودی علماء و ادباء کی طرف سے دانستہ طور پر اسلام کی تعلیمات کو مسخ کرنے اور پیغمبر اسلامؐ کے بارے میں غلط فہمیوں کو ابھارنے کی کوششوں کے شرح و بسط سے جائزے کے علاوہ استشراق (Orientalism) کے سیاسی و اقتصادی محرکات بالفاظ دیگر مسلم اقوام و ممالک پر غلبہ و تسلط کی غرض سے استشراق اور مغرب کی استعماری طاقتوں کے مابین گٹھ جوڑ کو آشکارا کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

Norman Dniel, *Islam and the West: The Making of an Image*, 1960, *Oxford: Oneworld*, 1993, repr. 1997; Idem, *Islam, Europe and Empire*, op. cit.

۱۳) مانٹ گمری واٹ نے اس حقیقت کا اعتراف اپنی متعدد تحریروں میں کیا ہے ملاحظہ ہو: ڈبلیو۔ مانٹ گمری واٹ، ''مستشرقین کا مطالعہ اسلام''، حوالہ مذکورہ، صفحات ۲۸-۲۹۔ مزید ملاحظہ ہو:

W. Montgomery Watt, *The Majesty that was Islam*, London: Sidgwick & Jackson, 1974, pp. 247-248; Idem, *Islam and Christianity Today: A Contribution to Dialogue*, London: Routledge & Kagen Paul, 1983, p.4.

14) *The Road to Mecca*, pp. 4-5

اسد نے اسلام کی طرف سے مغرب کو لاحق نفسیاتی خوف اور اندیشوں سے متعلق جو خیال ظاہر کیا ہے۔ ایک دوسرے نومسلم دانش ور ٹی بی ارونگ (م: ۲۰۰۳ء) نے اس کا اعادہ ان الفاظ میں کیا ہے:

"The [Western] world worries about Islam because it has a system of values and these are dangerous if they are taken seriously since they act a basis for conduct. It is a coherent civilization or culture", See: Thomas B. Irving, *Islam Resurgent: The Islamic World Today*, op. cit., P.I

15) *The Road to Mecca*, p. 5

16) *The Road to Mecca*, p. 291

17) Arnold J. Toynbee, *Civilization on Trial*, London: Oxford University Press, 1949, pp. 21-22.

۱۸) تفصیلی جائزہ کے لئے ملاحظہ ہو:

Jochen Hippler and Andrea Lueg, *The Next Threat: Western Perceptions of Islam*, London: Pluto Press, 1995; Robert Spencer, *Islam Unveiled: Disturbing Questions about the World's Fatest Growing Faith*, San Francisco: Encounter Books, 2002; H.T. Norris, *Islam in Balkans: Religion and Society between Europe and the Arab World*, Columbia; University of South Carolina Press, 1993,p. 258; John L. Esposito, *The Islamic Threat: Myth or Reality*, New York: Oxford University Press, 1992, reper, 1999, pp. 212-289.

۱۹) اس سلسلہ میں امریکی دانش ور سیموئیل ہنٹنگٹن بطور خاص قابل ذکر ہے۔ موصوف نے ''تہذیبوں کے تصادم کا نظریہ پیش کرکے اسلام کو مغربی تہذیب کے لئے ایک ''خطرہ'' کے طور پر پیش کرتے ہوئے قوت و طاقت کے استعمال سے اس کی بیخ کنی کی وکالت کی ہے۔ ملاحظہ ہو:

Samuel P. Huntington, *Clash of Civilizations and the Remaking of World Order*, New York: Simon & Schuster, 1997.

۲۰) مذکورہ رزمیہ نظم کے مباحث ، زمانہ تصنیف اور یورپی ادب پر اس کے اثرات کے جائزہ کے لیے ملاحظہ ہو:

Encyclopaedia Britannica, 1974, 2:740.

21) *The Road to Mecca*, p. 7.

22) Muhammad Asad, *This Law of Ours*, p. 124; *Islam at the Crossroads*, p. 74

23) *Islam at the Crossroads*, pp. 62-64

مستشرقین کی عمومی نفسیات کے جائزہ کے لیے ملاحظہ ہو:

Hichem Djait, *Europe and Islam*, Ch.3 (European Scholarship and Islam), pp. 42-73

24) *Islam at the Crossroads*, p. 64

مستشرقین کی تحقیقات اور ان کے اسلام و پیغمبر اسلام کے بارے میں خیالات وتصورات کے بارے میں ملاحظہ ہو:

Daniel J. Vitikus, "Early Modern Orientalism", Michael Frasseto and David R. Blanks (Eds), *Western Views of Islam in Medieval and Early Modern Europe*, op. cit, pp. 207-230; Albert Hourani, *Islam in European Thought*, Cambridge: 1991; Maxime Rodinson, "The Western Image and Western Studies of Islam", Joseph Schacht and C.E. Bosworth. (Eds.), *The Lagacy of Islam*, Oxford and New York: 1979, pp. 9-62; Idem, A Critical Survey of Modern Studies on Muhammad, "Marlin L. Swartz (Ed. and Tr.), *Studies on Islam*, New York: 1981, pp. 23-85; Alan M. Gunther, "The Image of the Prophet as Found in Missionary Writings of the Late Nineteenth Century", *The Muslim World*, 90: 1(2000): 43-70; Jabal Muhammad Bauben, *Image of the Prophet Muhammad in the West: A Study of Muir, Margolioth and Watt*, Leicester: The Islamic Foundation, 1996; Samir Khalf; "Protestant Images of Islam: Disparaging Stereotypes Reconfirmed, "*Islam and Christian-Muslim Relations*, 8:2 (1997): 211-229; Muhammad Benaboud, "Orientalism on the Revelation of the Prophet: The Cases of W. Montgomery Watt, Maxime Rodinson and Duncan Black Macdonald", *American Journal of Islamic Social Sciences*, 3:2 (1986): 309-321; Ahmad Gunny, *Preceptions of Islam in European Writings*, Leicester: The Islamic Foundation, 2004; Jan. Smith, "Christian Missionary Views of Islam in the 19th-20th Centuries", in Zafar, I. Ansari and John L. Esposito (Eds), *Muslims and the West: Encounter and Dialogue*, Islamabad: 2001.

25) *The Road to Mecca*, p. 75

26) *The Road to Mecca*, pp. 75,190

۲۷) نارمن ڈینیئل کے بارے میں ملاحظہ ہو: حاشیہ۱۲۔ استشراق پر ایڈورڈ سعید کی تنقیدات کے لئے ملاحظہ ہو:

Edward W. Said, *Orientalism*, London: Routledge, 1978; Idem, *Covering Islam*, New York: Pantheon Books, 1981; Idem, *Reflection on Exile and Other Literary and Cultural Essays*, London: Granta Books, 2001, (Orientalism, pp. 356-371; Idem, "Orientalism Revisited" *Dawn*, August 11, 2003; Idem, "Orientalism Revisited: Manufactured Clash of Civilizations", *Dawn*, August, 12, 2003.

۲۷-ب) انیسویں صدی کے نصف آخر سے دنیائے اسلام میں متعدد ایسے مصلحین اور دانش ور منظر عام پر نمودار ہوئے ہیں جنھوں نے اسلام اور مغربی تہذیب کے مابین کسی بنیادی اور حقیقی و جوہری فرق و اختلاف سے انکار کیا اور مغربی تہذیب و معاشرتی اقدار کو قابل تقلید گردانا۔ چنانچہ انہوں نے عامۃ الناس کو بھی اس کی تقلید و نقالی کی پر زور تاکید و تلقین کی۔ اس سلسلہ میں سرسید احمد خان (۱۸۱۷-۱۸۹۸ء) کے بعد سلطنت عثمانیہ کے ضیاء گوک الپ (۱۸۸۵-۱۹۲۴ء) کا نام بطور خاص قابل ذکر ہے۔ مؤخر الذکر مغربی تہذیب کے بنیادی اصول و تصورات سیکولرازم اور قومیت پرستی (نیشنل ازم) وغیرہ کو قطعاً اسلام کے منافی خیال نہیں کرتے (سرسید کے خیالات کے بارے میں ملاحظہ ہو: سید ابوالحسن علی ندوی، مسلم ممالك میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، حوالہ مذکورہ ، صفحات ۹۵-۱۰۵۔ مؤخرالذکر کے خیالات و افکار کے لئے ملاحظہ ہو، کتاب مذکورہ ، صفحات ۶۱-۶۶۔مملکت پاکستان کے صدر جنرل پرویز مشرف، جو ''روشن خیال و اعتدال پسند اسلام'' کے تصور کے علمبردار و پرچارک ہیں اور اسلام اور مغربی تہذیب کے مابین موافقت و ہم آہنگی چاہتے ہیں، بھی اسلام اور سیکولرازم کے مابین کوئی فرق و اختلاف خیال نہیں کرتے، نہ ہی وہ مغربی طرز زندگی ، طرز لباس و طرز بودوباش کو اسلام کی تہذیبی و سماجی قدروں کے منافی خیال کرتے ہیں۔ مزید برآں نظام تعلیم کو کلی طور پر سیکولر بنیادوں پر قائم کرنا چاہتے ہیں(ترکی کے مصطفیٰ کمال ، ایران کے رضاشاہ و محمد رضا شاہ پہلوی اور افغانستان کے امیر امان اللہ خان کی طرح)۔ جنرل پرویز مشرف کے طرز فکر و خیالات اور ان کے تنقیدی جائزہ کے لئے ملاحظہ ہو: پروفیسر خورشید احمد، ''کونسا اسلام؟ بش اور مشرف کا ، یا محمد عربیؐ کا ؟ '' ، ترجمان القرآن، ۱۳۲:۳ (مارچ ۲۰۰۵ء)، صفحات ۳-۲۸۔

28) *Islam at the Crossroads*, pp. 36-37, 41-42, 44-45; Muhammad Asad, "The Causes of Our Stagnation", *Arafat*, 1:4 (Dec. 1946), pp. 99-100

اسد نے مغربی تہذیب و تمدن کے جن تشکیلی عناصر اور اس کے بنیادی خصائص کا ذکر کیا ہے ان کو متعدد دوسرے اہل علم نے بھی صراحت سے اجاگر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: سید حسین نصر، ''مغربی ثقافت کی جڑیں'' (مترجمہ: نذیرالدین مینائی)، عالم اسلام اور عیسائیت، ۸:۱(جنوری-مارچ ۱۹۹۸ء) ، صفحات ۱۴-۲۸، مزید ملاحظہ ہو:

Syed Muhammad Naquib Al-Attas, *Islam and Secularism*, Lahore: Suhail Academy, 1998, pp. 1-14.

29) *Islam at the Crossroads*, p. 43

30) Muhammad Asad, "Is Religion a Thing of the Past?", *Arafat*, 1:2 (Oct. 1946):

38-40; *Islam at the Crossroads*, pp. 36-37

31) Is Religion a Thing of the Past?, op. cit., pp. 41-42, 46.

قوم پرستی کے جن مفاسد کی اسد نے نشان دہی کی ہے، آرنلڈ جے ٹائن بی نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے۔ اس کی رائے میں قوم پرستی کا تصور ایک بدی اور تخریبی قوت ثابت ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو:

Arnold J. Toynbee, *Christianity Among the Religions of the World*, New York: Charles Scriber's Sons, 1957, pp. 79-81.

32) Is Religion a Thing of the Past? op. cit, pp. 40-42, 46

33) *Islam at the Crossroads*, p. 34.

34) *Islam at the Crossroads*, pp. 32-33, 36-55-56; *The Road to Mecca*, pp. 70-71

35) *Islam at the Crossroads*, pp. 57-58; *The Road to Mecca*, pp. 55-59,70-71.

اسد نے مغربی تہذیب کے جن تاریک پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔ الجزائری مفکر مالک بن نبی اور بوسنیا کے سابق صدر عالی جاہ عزت بیگوویچ (۱۹۲۵-۲۰۰۳ء) نے بھی اس کو خوب اجاگر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

Alija Ali Izetbegovic, *Islam between East and West*, Indianpolis: American Trust Publications, 2nd rev. edn. 1989; Malek Bennabi, *Islam in History and Society* (Trans. Asma Rashid), Islamabad: Islamic Research Institute, 1988, pp. 33, 61-72.

۳۶) دجال کے قیامت سے قبل ظہور اور اس کے اوصاف کا تذکرہ تفصیل سے احادیث و روایات میں وارد ہوا ہے۔ کتب احادیث میں اس کا بالعموم تذکرہ کتاب الفتن والملاحم کے ذیل میں ہوا ہے، ملاحظہ ہو: صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب ذکرالدجال، حدیث ۷۳۶۱-۷۳۸۲ وسنن ابی داؤد، باب خروج الدجال، حدیث ۴۳۱۵-۴۳۲۴

37) *The Road to Mecca*, pp. 292-295; see also: Muhammad Asad, "And Why Not Western Civilization," *Arafat*, 1:6 (Feb. 1947), pp.187-190.

اسد کے علاوہ بعض دوسرے مسلم دانش وروں، بشمول مولانا عبدالماجد دریا آبادی، نے بھی مغربی تہذیب و تمدن کو دجال سے تعبیر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: مولانا عبدالماجد دریا آبادی، اسلام– مسلمان اور تہذیب جدید (مرتبہ: محمد موسیٰ بھٹو)، حیدرآباد: سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ، ۲۰۰۴ء، بمواقع عدیدہ۔ بھارتی مسلم دانش ور اسرار عالم نے تو دجال کے عنوان سے دو جلدوں میں کتاب تصنیف کی ہے جس میں جدید مغربی طاقتوں اور ان کی آلہ کار اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کو دجال کے ظہور کی پہلی باضابطہ شکل قرار دیا گیا ہے۔ ان کی رائے میں اقوام متحدہ کا چارٹر، مسیح دجال کا چارٹر ہے۔ عالم اسلام پر عالم مسیحیت و یہودیت کا غلبہ اور اقوام متحدہ کا قیام ظہور دجال ہی کی مختلف صورتیں ہیں۔ ملاحظہ ہو: اسرار عالم، دجال، لاہور: ادارہ تخلیقات، ۲۰۰۴ء، خصوصاً ج۱، باب ۱ (ضرورت عجالہ) صفحات ۱۱-۸۴۔ قادیانیوں کی لاہوری شاخ کے امیر مولانا محمد علی لاہوری نے بھی مغرب کی مسیحی اقوام اور ان کی تہذیب و تمدن بالخصوص سائنس اور ٹیکنالوجی میں اس کی حیرت انگیز ترقیوں اور اکتشافات و ایجادات کو دجال سے تعبیر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: مولانا محمد علی لاہوری، بیان القرآن، لاہور: احمدیہ انجمن

اشاعت اسلام، ۱۳۸۸ء، ۲: ۸۱۱-۸۱۵۔ دجال کی حقیقت اور اس کے ظہور کے بارے میں مسلمانوں کے مختلف کلامی مسالک کے تصورات اور دور جدید کے بعض مصلحین اور دانش وروں (بشمول محمد اسد) کے نقطۂ نظر کے لئے ملاحظہ ہو:

Zeki Saritopark, "The Legend of *al-Dajjal* (Anti-Christ): The Personification of Evil in the Islamic Tradition", *The Muslim Wrold*, 93:2 (2003): 291-308.

38) *The Road to Mecca*, pp. 292-293.

39) *The Road to Mecca*, pp. 294, 308-310

اسد نے قرآن حکیم کی سورت التکاثر کی تفسیر میں بڑے بلیغ انداز میں جدید دور کی مادیت پرستی اور اس کے ہولناک نتائج کا ذکر کیا ہے۔ محمد اسد کو اس سورت میں جدید مغرب کی حقیقی تصویر نظر آتی ہے۔ ملاحظہ ہو:

Muhammad Asad, *The Message of the Qur'an*, Gibraltar: Daral-Andelus, p. 973,fn. 1,3

40) *The Road to Mecca*, pp. 294-295. See also. Muhammad Asad, "Construction or Destruction?, "*Arafat*, 1:6 (Feb. 1947): 187-188, 191-192.

41) Muhammad Asad, "That Business of Imitation", *Arafat*, 1:7 (April 1947) p. 203.

42) *That Business of Imitation*, op, cit., pp. 215; See: also, *Construction or Destruction*? op. cit., pp. 190-191; *The Road to Mecca*, p. 305

42-b) Construction or Deconstruction?, op. cit., pp.190-191.

43) *The Road to Mecca*, p. 295; See also: *Construction or Destruction*? op. cit, p. 191

۴۴) البقرہ ۲: ۱۷-۱۸

۴۵) مولانا عبدالماجد دریاآبادی، تفسیر ماجدی، کراچی: مجلس نشریات اسلام، ۱۹۵۹ء، ج ۱ص:۷۰-۷۱

۴۶) مغربی تہذیب کے بارے میں ڈاکٹر محمد اقبال کے افکار و خیالات کے جائزہ کے لئے ملاحظہ ہو: خلیفہ عبدالحکیم، فکر اقبال، لاہور: بزم اقبال۱۹۸۸ء (ساتواں باب: مغربی تہذیب و تمدن پر علامہ اقبال کی تنقید)، صفحات۱۹۳-۲۳۹۔ عبدالمغنی، ''تہذیبوں کا تقابلی مطالعہ: فکر اقبال کی روشنی میں''، سہ ماہی اقبال (لاہور) ۴۹:۱،۲ (جنوری-اپریل ۲۰۰۲ء)، صفحات ۱۳-۴۰؛ خالد علوی ، اقبال اور مسلم تشخص ، اسلام آباد: دعوۃ اکیڈمی، ۲۰۰۲ء۔ مالک بن نبی کی تنقید تہذیب مغرب کے بارے میں ملاحظہ ہو:

Malek Bennabi, *Islam in History and Society*, pp. 33, 62-72.

46ب) Is Religion a thing of the Past?, *Arafat*, 1:2 Oct. 1946), p. 49; *The Road to Mecca*, pp.2-3, 295.

۴۷) ان مغربی دانش وروں میں آرنلڈ-جے ٹائن بی سے لے کر سیموئل ہنٹنگٹن اور فرانسس فوکویاما تک ایک گروہ کثیر شامل ہے۔ آرنلڈ-جے ٹائن بی جو، مغربی تہذیب و تمدن ، طرز حیات اور اس کے نظام سیاست و حکومت نیز اس کے تیسری دنیا میں سرعت سے نفوذ پر نازاں ہے۔ مغرب کے سیاسی تجربات اور اس کے جمہوری و سیاسی اداروں کو انسانی فکروفہم اور اجتہادات و اختراعات کی معراج خیال کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

Arnold J. Toynbee, *The Present Day Experiment in Western Civilization*, London: Oxford University Press,1962, pp. 24-50; Idem *The World and the West*, London: Oxford University Press, 1954, pp. 1-84.

فرانسس فوکویاما جدید مغرب بالخصوص امریکہ کے سیاسی و معاشی نظام اور اس کی تہذیبی وسماجی اقدار کو عقل انسانی کی آخری اور قطعی وحتمی دریافت خیال کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

Francis Fukuyama, "History and September 11", Kenbooth and Tim Dunne (eds), *Worlds in Collision*: *Terror and the Future of Global Order*, New York: Palgrave Macmillan, 2002, pp. 28-29

فوکو یاما کا کہنا ہے کہ انسانی تاریخ اپنے ارتقاء کے سارے مراحل طے کرچکی ہے اور اس کا آخری ثمرہ مغرب کا سیکولر جمہوری نظام اور آزاد منڈی کی معیشت ہے۔ اب کوئی منزل سر کرنے کے لئے نہیں بچی، اب کوئی نیا نظام نہیں آئے گا۔ جب کہ ہنٹنگٹن کا کہنا ہے کہ مغربی تہذیب جو اس وقت عالمی تہذیب ہے اور جو ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے کر اسے یک رنگ بنانے کے چکر میں ہے، اس کا دوسری تہذیبوں بالخصوص اسلامی تہذیب سے تصادم ناگزیر ہے۔ فوکا یاما کے خیالات کے تفصیلی مطالعہ کے لیے دیکھیے:

Francis Fukuyama, *The End of History and the Last Man*, London: Penguine, 1993.

سیموئیل ہنٹنگٹن اور فرانسس فوکویاما کے خیالات کے تنقیدی جائزہ کے لیے دیکھیے: عبدالقدیر سلیم، ''مغرب اور اسلام- تہذیبوں کا تصادم''، ترجمان القرآن، ۱۲۸: ۵ (مئی ۲۰۰۱ء) ، صفحات ۴۷-۵۳؛ وہی مصنف، ''ترقی اور انتشارِعظیم'' ترجمان القرآن، ۱۲۷:۳ (مارچ ۲۰۰۰ء) صفحات ۴۳-۵۶۔

۴۸) امریکی صدر جارج بش اور دیگر عہدیداران ملکی تو اس کا اظہار کئی کئی بار کرچکے ہیں۔ اطالوی وزیراعظم سلویو بر لسکونی (Silvio Berlusconi) نے بھی یہ دعوٰی کرنا ضروری خیال کیا کہ مغربی تہذیب کو اسلامی تہذیب پر بلاشک و تردد تفوق وفضیلت حاصل ہے موصوف کے الفاظ میں:

"We should be conscious of the superiority of our civilization which consists of a value system that has given people widespread prosperity in those countries that embrace it, and gurantees respect for human rights and religion. This respect certainly does not exits in the Islamic Countries". See: U. Schmetzer, "Leader says Islam is Inferior to the West", *Tribune News Services*, September 28, 2001.

بحوالہ

Abdelaziz Testas, "Models of Cultural Exclusion and Civilizational Clashes", *Islam and Christian-Muslim Relations*, 14:2 (2003): 183.

صدر بش اور اٹلی کے وزیر اعظم کے خیالات کے بارے میں ملاحظہ ہو: ارشاد احمد حقانی، ''مغربی اور غیر مغربی دنیا کی کشیدگی- صدر بش کا سطحی تجزیہ''، روزنامہ جنگ، ۳/اکتوبر ۲۰۰۱ء، ص ۱۰۔

48ب) The Road to Mecca, pp. 295-296

''کیونکہ مغربی تہذیب انسان کی اجتماعی و انفرادی ضروریات، اس کے جسمانی و مادی مطالبات اور اس کی روحانی امنگوں کے درمیان کوئی توازن پیدا نہیں کرسکی ہے۔ اس نے اپنے قدیم دینی و روحانی سرمایہ اور نظامِ اخلاقیات کو تو خیرباد کہہ دیا ہے لیکن اس کی جگہ پر کسی دوسرے اخلاقی نظام کا انتظام نہیں کرسکی...... مغربی اقوام بے پناہ علمی و سائنسی ترقیوں کے باوجود اپنی سفلی و احمقانہ خواہشات پر قابو پانے میں ناکام رہی ہیں۔ مغربی اقوام کی لامحدود و بے لگام علمی و سائنسی ترقیاں، اپنے جلو میں جنگ و جدل، عالمگیر بدامنی، انتشار و انارکی اور افراتفری و بے چینی کو لیے ہوئے ہیں...... ایک سچے مذہب کی تعلیمات سے محروم مغربی انسان اپنی علمی و سائنسی ترقیوں کی روشنی سے حقیقی فائدہ اٹھانے سے قاصر و عاجز ہے۔ مقام تعجب ہے کہ اس سب کے باوجود عقلی غرور اور تہذیبی انانیت میں مبتلا مغرب کے لوگ اس زعم میں مبتلا ہیں کہ انہی کی تہذیب دنیا کو روشنی اور مسرت و سعادت عطا کرسکے گی۔ چنانچہ اگر اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں انہوں نے مسیحیت کی دنیا بھر میں اشاعت اور غلبے کے متعلق سوچا تھا تو آج وہ مسیحیت کی بجائے مغربی تہذیب اور طرز حیات کو دنیا پر مسلط کرنے اور اس عقیدہ کی اشاعت کے لیے کوشاں ہیں کہ تمام تر انسانی مسائل کارخانوں، تجربہ گاہوں اور اعداد و شمار کے مراکز (Desks of Statistics) میں حل کیے جاسکتے ہیں''

49) Is Religion a thing of the Past?, *Arafat*, 1:2 (Oct. 1946): 49.

50) Muhammad Asad, "Construction or Destruction?" *Arafat* 1:6 (Feb. 1947): 187-188; See also: *The Road to Mecca*,pp. 294-295.

51) *Islam at the Crossroads*, p. 99.

52) *Islam at the Crossroads*, pp. 98-99

53) *Islam at the Crossroads*, pp. 2-3, 40-41

54) *Islam at the Crossroads*, pp. 32-33; Muhammad Asad, "This Law of Ours", Arafat, 1:4 (Dec. 1946), pp. 101-103

55) Muhammad Asad, "Construction or Destruction", pp. 170-174.

56) Muhammad Asad, "The Outline of a Problem", *Arafat*, 1:1 (Sep. 1946), pp31-32.

57) *Islam at the Crossroads*, p. 54.

۵۸) اسد نے اپنی تصانیف میں سے *The Road to Mecca* اور *Islam at the Crossroads* کے علاوہ مجلّہ عرفات میں مطبوعہ اپنے مقالات میں بتفصیل دونوں تہذیبوں کی روح، ان کے منابع اور خارجی مظاہر کا تقابلی جائزہ پیش کیا ہے اور ان کے مابین موجود جوہری فرق و اختلاف کو واضح کیا ہے۔

59) *Is Religion a Thing of the Past?*, op. cit.,pp. 41, 59

60) *The Outline of a Problem,* op. cit,. pp. 14-15; Islam at the Crossroads, pp.109-110

61) *Islam at the Crossroads*, p. 61

62) *Islam at the Crossroads*, pp. 103, 106-107; *Construction or Deconstruction?* op. cit., p. 184

63) *Islam at the Crossroads*, pp. 101, 109-110, 150

64) *Islam at the Crossroads*, pp. 108-109, 184

65) *Islam at the Crossroads*, pp. 100, 104-105; *That Business of Imitation,* op. cit., p. 212.

جدید ایران میں مغربیت (غرب زدگی) کے خلاف زوردار آواز وہاں کے مشہور افسانہ نگار و ناول نویس جلال آل احمد (۱۹۲۳-۱۹۶۹ء) نے بلند کی۔ اس نے محمد رضا شاہ (۱۹۴۱-۱۹۷۸ء) کی طرف سے ملک میں مغربی تہذیبی و معاشرتی اقدار کی ترویج کو ایرانی قوم کی تہذیبی و سماجی تشخص و خود ارادیت کو ملیا میٹ کرنے کے مترادف قراردیا تھا۔ اس نے مغربیت (Westernization) یعنی ملک و معاشرہ کو مغربی رنگ میں رنگ دینے کی پالیسی کو ''غرب زدگی'' کا نام دیا۔ جلال آل احمد کے بعد یہ اصطلاح بالخصوص تجدد و مغربیت کے ناقدین و مخالفین کی تحریروں میں کثرت سے استعمال ہوتی رہی۔

جلال آل احمد کی تنقید مغرب کے بارے میں ملاحظہ ہو:

Jalal Al-i-Ahmad, Occidentosis: A Plague From the West (Trans. R. Campbell; ed. Hamid Algar), Berkeley: Mizan Press, 1984; Wahid Akhtar "The Evil of Westernization - A Review Article", *Al-Tawhid*, IV:1 (Sep. - Nov. 1986): 153-170.

66) "The Outline of a Problem", op. cit., p. 16; *Islam at the Crossroads*, p. 109.

67) "Is Religion a Thing of the Past?", op. cit., pp. 53-54, 59; *Islam at the Crossroads*, pp. 101-104

68) Islam at the Crossroads, p.103; That business of Imitation", op. cit., p.200.

69) That Business of Imitation, op. cit., p.205

70) *Islam at the Crossroads*, p. 103

71-A) That Business of Imitation", op. cit., pp. 205-206

71-B) Islam at the Crossroads, pp. 103-107.

72) *Islam at the Crossroads*, pp. 99-100

73) *Islam at the Crossroads*, p. 91

74) *Islam at the Crossroads*, pp. 83-84

75) *Islam at the Crossroads*, pp. 85-86

76) That Business of Imitation, op. cit., pp. 193-194, 199, 204.

77) *Islam at the Crossroads*, pp. 94-95

مغربی ادب کے جن خصائص اور ان کے اثرات و نتائج کا تذکرہ محمد اسد نے کیا ہے اس کے ثبوت کے لئے لمبے چوڑے دلائل اور شواہد کی ضرورت نہیں۔ یورپ کے کم و بیش تمام ادبی شہ پارے مذہبی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں اور اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں تعصب و تنگ نظری سے مملو ہیں (ملاحظہ ہو : حبیب الحق ندوی، ''مغرب کے عالمی ادبی شہ پارے مذہبی شہ پارے ہیں'' ، جریدہ (کراچی)، عدد ۲۴(۲۰۰۴ء)، صفحات ۱۹۹-۲۱۲)۔ دانتے (Dante) کے ادبی شہ پارے *The Divine Comedy* کو اس ضمن میں ایک اعلیٰ مثال کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ اس میں پیغمبرؐ اور آپ کے پیروؤں کی حددرجہ تضحیک کی گئی ہے۔ انگریزی زبان کے مشہور شاعر اور افسانہ نگار چاؤسر (Chaucer) نے بھی اپنی نگارشات میں اپنے مذہبی عقائد اور وقت کے عام دینی رجحانات کو سمونے کی کوشش کی ہے جبکہ اسلام کو تمسخر و استہزاء کا نشانہ بنایا ہے۔ غرض دانتے اور چاؤسر کے ادبی شہ پاروں میں اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں قدیم تعصّبات اور غلط فہمیوں کا خوب اظہار ہوا ہے۔ دانتے کی ادبی تخلیقات کے تنقیدی جائزہ کے بارے میں ملاحظہ ہو: حبیب الحق ندوی، ''مغرب کے عالمی ادبی شہ پارے مذہبی شہ پارے ہیں''، حوالہ مذکورہ، صفحات ۲۰۹-۲۱۲۔ مزید ملاحظہ ہو:

Shawkat Toorawa, "Muhammad, Muslims and Islamophobia in Dante's Commedia", *The Muslim World*, LXXXII: 1-2 (1992): 133-143.

چاؤسر کے ادبی شہ پارے *Canterbury Tales* کے تنقیدی جائزہ کے لئے ملاحظہ ہو:

Brenda Deen Schildgen, Pagans, Tartars, Moslems and Jews in Chaucer's Canterbury Tales", Gaineville: University Press of Florida, 2001.

مغربی ادب میں اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں موجود تعصّبات کے عمومی جائزے کے لئے ملاحظہ ہو:

Norman Daniel, *Islam, Europe and Empire*, op, cit۔, pp. 20-35; Reid Barbour, *Literature and Religious Culture in Seventeenth-Century England*, Cambridge: Cambridge University Press, 2002; Cynthia Scheinberg, *Woman's Poetry and Religion in Victorian England: Jewish Identity and Christian Culture,* Cambridge: Cambridge University Press, 2000.

78-A) *The Road to Mecca*, pp.3-5;*Islam at the Crossroads*, p. 97

78-B) Muhammad Asad, *The Principles of State and Government in Islam*, Gibraltar: Dar al-Andalus, 1980,p.98.

محمد اسد نے یورپی تاریخ سے متعلق جس حقیقت کی نشاندہی کی ہے۔ اس ضمن میں یورپی مؤرخین میں سے اشپنگلر کی *The Decline of the West*، ٹائن بی کی *A Study of History* اور ایڈورڈ گبن کی *The Rise and Fall of Roman Empire* کو تاریخ کی تشریح وتعبیر کے اس اسلوب کے اعلیٰ نمونے کے بطور پیش کیا جاسکتا ہے۔ مغربی مؤرخین کی کتب (یورپی و امریکی تاریخ پر) کے اندر اسلام اور مسلم افراد سے تعصب و عناد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ اندلس اور مشرقی یورپ (کہ جہاں صدیوں تک مسلم۔ مسیحی تصادم و کشمکش برپارہی) تو ایک طرف لاطینی امریکہ کے تاریخی ماخذ میں بھی یہ عنصر بہ تمام و کمال موجود ہے۔ ملاحظہ ہو:

Rukhsana Qambar, "Anti-Islamic Bias in Sources on Latin America: Preliminary Findings", *Islamic Studies*, 42: 4 (2003): 651-685.

79) *Islam at the Crossroads*, p. 94.

80) *Islam at the Crossroads*, p. 95.

81) *Islam at the Crossroads*, p. 98.

۸۲) مذکورہ مسلم ممالک میں تجدد و مغربیت خصوصاً جدید مغربی تعلیم کے اثرات کے جائزہ کے لئے ملاحظہ ہو:

Hamilton A.R. Gibb, *Modern Trends in Islam*, Chicago: University of Chicago Press, 1978, pp.51-52; Muhammad Fadhel Jamali, "The Impact of Western Education on the Muslim World: Some Major Problems Facing It", *The Islamic Reviwe*, 54:11 (Nov. 1966): 5-10; Malek Bennabi, *Islam in History and Society,* op. cit., pp. 2-58; Reza Arasteh, *Education and Social Awakening in Iran*, Leiden: E.J. Brill, 1962, pp. 114-133.

۸۳) جدید مغربی تعلیم پر علامہ محمد اقبال کے تنقیدی افکار و خیالات کے بارے میں ملاحظہ ہو: سید ابوالحسن علی ندوی، نقوش اقبال، کراچی: مجلس نشریات اسلام، ۱۹۸۳ء ، صفحات ۸۵-۹۶۔

۸۴) علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کی انتظامیہ نے اصلاح نصاب اور اس میں دینیات کے عنصر کے اضافہ کے لئے ایک مجلس (مجلس اصلاح نصاب و دینیات) تشکیل دی تھی، جس نے اس سلسلہ میں ممتاز اہل علم، جن میں سید ابوالاعلیٰ مودودی بھی شامل تھے، سے تجاویز طلب کیں۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اصلاح احوال کی غرض سے علی گڑھ میں رائج نظام تعلیم میں موجود بنیادی و اصلی نقص کی نشان دہی کی اور مسلمانوں کے لیے جدید تعلیمی پالیسی کی تفصیل سے وضاحت کی۔ سید مودودی کی ان تجاویز اور تعلیمی اسکیم کے بارے میں ملاحظہ ہو: سید ابوالاعلیٰ مودودی ، تعلیمات، لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۸۲ء، صفحات ۷-۵۰۔

۸۵) سید ابوالحسن علی ندوی کے خیالات کے لئے ملاحظہ ہو: انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر،

کراچی: مجلس نشریات اسلام (س-ن)، خصوصاً مقدمہ ، حوالہ مذکورہ ، صفحات ۱۴-۲۶؛ وہی مصنف، تاریخ دعوت و عزیمت ، کراچی: مجلس نشریات اسلام، ۱۹۸۲ء ج۱،مقدمہ، سید قطب کے خیالات کے بارے میں ملاحظہ ہو: سید قطب ، اسلام میں عدل اجتماعی (مترجمہ: ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی)، لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۹۶ء، صفحات ۵۵۲-۵۶۸۔

۸۶) مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، حوالہ مذکورہ، صفحات ۱۱-۱۲۔

۸۷) خالدہ ادیب خانم، ترکی میں مشرق و مغرب کی کشمکش (مترجمہ: سید عابد حسین)، دہلی: مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ، ۱۹۳۵ء؛ سید ابوالحسن علی ندوی، مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، بمواقع عدیدہ۔

۸۸) اس سلسلہ میں پرنس سعید حلیم پاشا (۱۸۶۵-۱۹۲۱ء) اور علامہ محمد اقبال کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔سعید حلیم پاشا کے افکار و خیالات کے بارے میں ملاحظہ ہو: سعید حلیم پاشا، خدا کی بادشاہت (مترجمہ: مولانا سید ہاشمی فرید آبادی)، لاہور: دفتر جمعیت دعوت و تبلیغ اسلام، ۱۹۲۷ء، مزید ملاحظہ ہو: محمد ریاض، ''اقبال اور سعید حلیم پاشا''، اقبال ریویو، ۱۲:۲ (جولائی ۱۹۷۱ء)، صفحات ۴۸-۶۲۔

۸۹) مولانا ابوعمار زاہدالراشدی، ''عالم اسلام اور مغرب: متوازن رویے کی ضرورت''، ماہنامہ الشریعۃ (گوجرانوالہ)، ۱۶: ۳ (مارچ ۲۰۰۵ء)، ص ۲

۹۰) مولانا ابو عمار زاہد الراشدی، ''عالم اسلام اور مغرب: متوازن رویے کی ضرورت''، ص ۲۔

۹۱) ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی، ''تحریک اسلامی- آج کے چند غور طلب مسائل''، ترجمان القرآن، فروری ۱۹۹۶ء، ص ۵۴-۵۶،۵۹

92) *Islam at the Crossroads*, pp. 89-90,100

93) *Islam at the Crossroads*, p. 92-93

94) *Islam at the Crossroads*, p. 100

95) *Islam at the Crossroads* p. 93.

96) *Islam at the Crossroads* p. 93.

۹۷) علوم کی اسلامی تشکیل کے تصور کے جائزہ کے لئے ملاحظہ ہو:

Taha J. al-Alwani, "The Islamization of Knowledge: Yesterday and Today", *American Journal of Islamic Social Sciencs*, 12:1 (1995): 81-101; A.K. Brohi, *A Faith to Live by*, Islamabad: National Hijra Council, 1984, Ch.II (Islamization of Knowledge), pp.215-226.

۹۸) اسد کے معاصرین میں سے سید ابوالاعلیٰ مودودی نے جدید سماجی و سائنسی علوم کو الحاد ولا دینیت سے پاک اور انہیں اسلامی نظریہ حیات کے تابع کرنے کی ضرورت کو زیادہ وضاحت سے بیان کیا۔ اس ضمن میں ان کے افکاروخیالات کے جائزہ کے لئے ملاحظہ ہو:

Abdul Rashid Moten, "Islamization of Knowledge in Theory and Practice: The Contribution of Sayyid Abul Ala Mawdudi", *Islamic Studies*, 43:2 (2004): 247-272

گزشتہ صدی کی آخری دو دہائیوں میں جدید سماجی وطبعی علوم کی اسلامی تشکیل کا موضوع مسلمان اہل علم کی خصوصی توجہ کا مستحق ٹھہرا۔ اس تصور کو عملی صورت دینے میں جن مسلم دانش وروں نے اہم کردار ادا کیا ان میں اسماعیل راجی فاروقی شہید (م: ۱۹۸۶ء) بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ انہوں نے خاص اس مقصد سے امریکہ میں ایک ادارہ عالمی ادارہ فکر اسلامی (International Institute of Islamic Thought) کے نام سے قائم کیا۔ جدید علوم کی اسلامی تشکیل کے بارے میں اسماعیل راجی الفاروقی کے خیالات نیز اس باب میں ان کی عملی مساعی کے بارے میں ملاحظہ ہو:

Ataullah Siddiqui, "Ismail Raji al-Faruqi: From Urubah to Ummatic Concerns", *American Journal of Islamic Social Sciences*, 16:3 (1999): 1-25; Ismail R. Al-Faruqi, "Islamization of Knowledge" *Knowledge for What*?: Proceedings and Papers of the Seminar on Islamization of Knowledge, Islamabad: National Hijra Council, 1986, pp. 1-50.

۹۹) پروفیسر خورشید احمد، ''تہذیب کا مستقبل اور اسلام''، ترجمان القرآن ۱۲۹: ۴ (اپریل ۲۰۰۲ء)، ص ۳-۷

۱۰۰) ٹائن -بی کے الفاظ میں:

Possibly experience has already shown that this attempt to pick and choose (aimed at receiving from the West the maximum amount of Western technology while taking the minimum amount of the rest of our civilization) may not be practicable in the long run. If you once commit yourself to taking one element from some alien civilization you may find yourself led on, in unexpected ways, into being constrained also to receive other elements which, at first sight, might seem to have no connection with the element that you have originally taken intentionally and deliberately. In the long run, it may not be possible to take a part and leave the rest; what that is ......all the non-western civilization have been trying to do during the last two hundred years. They have been trying to take as much possible of our technology and as little as possible of the rest of our civilization."

Arnold J. Toynbee, *Christianity Among the Religions of the World*, New York: Charles Scribner's Sons, 1957, p. 51

آرنلڈ–جے ٹائن بی نے اپنی بعض دوسری تصانیف میں بھی اسی نقطۂ نظر کا اظہار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

Arnold Toynbee, *The World and the West*, Oxford: Oxford University Press, 1954, pp 66-84. pp 99-100; Idem, *Civilization On Trial*, London and N. York: Oxford University Press, 1949, pp. 184-212.

۱۰۱۔ ہملٹن گب کے الفاظ میں:

A wave of antipathy, if not contempt, for every thing to do with western civilization has of late become manifest in the Arab World...... The plain truth of the matter is that "modernization" means "westernization". But on the other hand, it would be impossible for the Arabs [Muslims] to follow the path taken by the Turkish Rupublic without losing their identity completely. This, then, is the question:how in a world in which technology is making progress at a ever vaster scale, can the social values and cultural ideals of Islam be reaffirmed in such a way as to rebuild a stable society endowed with a vigorous and homogeneous social order capable of playing an active and constructive role.

Hamilton A.R. Gibb, *Studies on the Civilization of Islam*, (1962), reper Lahore: Islamic Book Service, 1987, p. 331.

ہملٹن گب کی رائے میں جدید دنیائے اسلام کو درپیش مسائل کا واحد حل صرف اور صرف غرب زدگی (Westernization) ہی میں پنہاں ہے۔ بالفاظ دیگر اگر جدید دنیائے اسلام مغربیت کی روش اختیار کرلے تو اس کو درپیش موجود بحران سے چھٹکارا مل سکتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

Hamilton Gibb, *Modern Trends in Islam*, Chicago: University of Chicago Press, 1945, reper 1972.

102) *Islam at the Crossroads*, p. 99-100.

۱۰۳) بعض مغربی خصوصاً امریکی دانش ور جن میں برنارڈ لیوئس (Bernard Lewis)، ڈینیئل پائپس (Daniel Pipes) اور سیموئیل ہنٹنگٹن (Samuel Huntington) سرفہرست ہیں، اسلام اور مغرب (دنیائے اسلام اور دنیائے مغرب) کے مابین تصادم کو ناگزیر گردانتے ہیں اور اس مزعومہ تصادم میں پہل کا ذمہ دار بھی اسلام کے پیروؤں کو گردانتے ہیں۔ چنانچہ وہ ان کے خلاف قوت و طاقت کے بھرپور استعمال کا جواز فراہم کرتے ہیں۔ مذکورہ امریکی دانش وروں کے خیالات کے بارے میں ملاحظہ ہو: خورشید احمد، ''تہذیبوں کا تصادم–حقیقت یاواہمہ''، ماہنامہ ترجمان القرآن (لاہور)، ۱۳۳:۵ (مئی۲۰۰۶ء)، ص۳–۱۴۔ مزید دیکھیے:

Bernard Lewis, "The Roots of Muslim Rage", *Atlantic Monthly*, 266:3 (Sep. 1990): 47-60; Daniel Pipes, *Militant Islam Reaches America*", New York: W.

Norton & Company, 2002, especially Part-1, Ch-1 (Islam a threat?)and Ch.2 (The Imaginary Green Peril) pp. 3-37; Samuel Huntington, *Clash of Civilization and the Remaking of the World*, N. York: Simon & Schuster, 1997; Idem, "The Age of Muslim Wars," *The Newsweek*, Dec. 2001, pp. 6-13.

برنارڈ لیوئس اور سیموئیل ہنٹنگٹن کے خیالات کے تنقیدی جائزہ کے لیے ملاحظہ ہو:

John L. Esponsito, *The Islamic Threat: Myth or Reality*, New York: Oxford University Press, pp. 219-221, 226-232; Edward W. Said, *Reflections on Exile and other Literary and Cultural Essays*, London: Granta Books, 2001, pp.198-215, 569-592; Idem, "Orientalism Revisited", Daily *Dawn* (Lahore), August, 12, 2003; Mohammed M. Karabal, "Clash of Civilizations or Clash of Religions", *American Journal of Islamic Social Sciences*, 11:1 (1994): 132-135.

مذکورہ مستشرقین کے ان خیالات کے مضمرات خصوصاً دنیائے اسلام کی اسلامی تحریکوں کے بارے میں امریکی پالیسی پر ان کے اثرات کے جائزہ کے لئے دیکھیے:

Graham E. Fuller, *The Future of Political Islam*, New York: Palgrave, 2003, Ch.8 (Islamism and the West: Huntingtion and the Clash of Civilizations): 145-165.

104) "There can be no doubt that a better understanding between the two cultural entities is endeed most desirable in the interests of the whole world and the world's future".

Muhammad Asad, "The Encounter of Islam and the West", *This Law of Ours*, op cit., pp. 121-122.

105) Ibid..

۱۰۶) اسد کے متذکرہ بالا خیالات و آراء میں امریکی صدر جارج ڈبلیو بش کے اس استفسار - جو اس نے ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کو پیش آنے والے حادثات کے دس روز بعد امریکی کانگرس سے خطاب کے دوران حیرانی و سرگردانی کے عالم میں کیا تھا- کہ Why Muslims hate America? (مسلمان امریکہ سے نفرت کیوں کرتے ہیں؟) کا جواب بھی موجود ہے۔ صدر بش نے از خود اس کے اسباب و محرکات کا تجزیہ بھی پیش کیا تھا، جس میں اس نے دنیائے اسلام کے بارے میں امریکہ کے ان استعماری ہتھکنڈوں اور طور طریقوں، جو سابقہ نو آبادیاتی طاقتوں کا طرہ امتیاز تھے، سے متعلق تجاہل عارفانہ کا اظہار کیا تھا۔ اس نے امریکی خارجہ پالیسیوں میں کسی خامی اور نقص کو تسلیم کرنے کے بجائے مخالفین کو سراسر گمراہ اور غلط کار ٹھہرایا۔ صدر بش کے مذکورہ خطاب کے اہم نکات اور اس کے تنقیدی جائزہ کے لیے ملاحظہ ہو: ارشاد احمد حقانی، ''مغربی اور غیر مغربی دنیا کی کشیدگی- صدر

بش کا تجزیہ''، روزنامہ جنگ ، ۳/اکتوبر، ۲۰۰۱ء، ص ۱۰۔

۱۰۷) ممتاز مسلم دانش ور محمود مصطفیٰ ایوب (م: ۲۰۰۳ء) کی نگاہ میں بھی اسلام اور مغرب کے مابین مکالمہ و مفاہمت کی راہ میں بڑی رکاوٹیں- مغرب کا استعماری و نوآبادیاتی کردار، دنیائے اسلام میں مغرب کی مسیحی تبشیری سرگرمیاں اور استشراق (Orientalism) ہیں۔ چنانچہ جب تک ان تینوں امور و مسائل کے بارے میں مغرب کے طرز فکر و عمل میں کوئی تبدیلی نہیں رونما ہوتی دنیائے اسلام کے ساتھ اس کے تعلقات میں مفاہمت اور بہتری رونما نہیں ہوسکتی۔ ملاحظہ ہو:

Alwi Shihab, "Christian- Muslim Relations in the Twenty-first Century", in *Islam and Christian-Muslim Relations*, 15:1 (2004): 67-68.

108) The Encounter of Islam and the West, p.123.

109) The Encounter of Islam and the West, pp. 126-127.

110) The Encounter of Islam and the West, p. 126.

111) See Arnold J. Toynbee, *Christianity Among the Religions of the World*, New York: Charles Scribner's Sons, 1957, pp. 85-93.

112) See: W. Montgomery Watt, *Islam and Christianity Today*: *A Contribution to Dialogue*, London: Routledge, 1983, pp. 4-5, 144-146.

۱۱۳) ڈاکٹر جارج کیری (George Carey) سابق آرچ بشپ- کنٹربری نے جامعۂ الازھر (القاہرہ) میں اکتوبر ۱۹۹۵ء میں اپنے خطبہ میں بھی مسلم مسیحی مفاہمت و مکالمہ کے لیے دونوں مذاہب کے مابین بعض مشترک اقدار کو بنیاد بنانے کا تذکرہ کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

George Carey,"The Challenges Facing Christian- Muslim Dialogue", *Islam and Christian- Muslim Relations,* 7:1 (1996): 95-101.

معروف مسیحی عالم پروفیسر Hans Kung بھی اسلام اور مغرب کے مابین مکالمہ و مفاہمت کے سلسلہ میں مذہب و اخلاق ہی کو بنیاد بنانے کے حق میں ہیں۔ ملاحظہ ہو:

Hans Kung, "Christianity and World Religions: The Dialogue with Islam as One Model", *The Muslim World*, LXXVII:2 (1987): 80-95.

۱۱۴) امریکی دانش ور گراہم-ای-فلر (Graham E. Fuller) بھی دنیائے اسلام اور امریکہ کے مابین تعلقات میں بڑھتی ہوئی تلخی و مخاصمت کو کم کرنے کے لئے دونوں کے مابین مکالمہ و مفاہمت کو ضروری خیال کرتا ہے، تاہم وہ ایک دوسرے طریقے سے اس مقصد کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔ وہ اسلام کے عقائد و تعلیمات اور اس کے قدیم روایتی تہذیبی و سماجی ڈھانچے کو مسلمانوں کی مغرب سے مفاہمت کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ گردانتا ہے۔ جبکہ امریکی دھونس، دھاندلی اور ترغیب و ترہیب کے ذریعے مسلم ممالک کے نظام تعلیم میں جوھری تبدیلی کے علاوہ دیگر سماجی اصلاحات کو ضروری خیال کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

Graham E. Fuller, *The Future of Political Islam*, New York: Palgrave, 2003,

pp. 159-165.

۱۱۵) مغرب بالخصوص امریکہ، جو صہیونی مشیروں کے اکسانے پر عالم اسلام سے تصادم کی راہ پر چل پڑا ہے اور جو بے پناہ اقتصادی و جنگی قوت کے نشہ میں بدمست باعث افہام و تفہیم کی کسی بات کو خاطر میں نہیں لا رہا۔ چنانچہ مسلم دانش وروں کے نزدیک مغرب سے مکالمہ کے امکانات کافی حد تک مخدوش ہو گئے ہیں۔ ملاحظہ ہو: خالد علوی، ''نئے عالمی نظام کی تشکیل اور امت مسلمہ کی ذمہ داریاں''، دعوۃ (اسلام آباد)، ۳:۱۰ (جون ۲۰۰۳ء)، ص۳۶؛ فضل الرحمٰن فریدی، ''اشارات''، ماہنامہ زندگی (نئی دہلی)، ۴:۳۱ (اپریل۲۰۰۵ء)، صفحات۳-۷۔ مذکورہ دونوں مسلم دانش وروں کے نزدیک دو فریقوں کے درمیان مکالمہ برابری کی سطح پر ہوتا ہے (جو باقی نہیں رہی) اور کمزور فریق مکالمہ کی حیثیت میں نہیں ہوتا۔ مغلوب اور غالب کے مابین مکالمہ کبھی راہ راست کی طرف رہنمائی نہیں کرسکتا۔ مغرب قوت کے استکبار کی بنا پر اپنی تہذیب کو بالاتر تہذیب گردانتا ہے اور اس امر کو اپنا فطری حق سمجھتا ہے کہ کمزور اور مغلوب دنیائے اسلام اپنی تہذیب اور ثقافت کو ازکار رفتہ سمجھ کر اس کے سامنے سپر انداز ہوجائے۔ یہ دونوں مسلم دانش ور مغرب کے بعض اداروں کی طرف سے منتخب مسلم ''علماء اور دانش وروں'' کے ساتھ مکالمہ کو ایک ڈھونگ اور پاکھنڈ قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ اس کی نتیجہ خیزی کے بارے میں پر امید نہیں۔ فلسطینی نژاد امریکی مسیحی دانش ور ایڈورڈ سعید (م۲۰۰۳ء) بھی مغربی یہودی و مسیحی مستشرقین، ذرائع ابلاغ اور حکومتوں کے اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں شدید معاندانہ و جارحانہ رویے کی موجودگی میں عالم اسلام اور مغرب کے مابین مفاہمت و مکالمہ کے بارے میں پر امید نہیں۔ ایڈورڈ سعید کی رائے میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف عالم مسیحت، امریکہ و یورپ کی جارحانہ کارروائیوں، مستشرقین اور ذرائع ابلاغ کے منفی و مذموم پروپیگنڈا کی موجودگی میں عالم اسلام اور مغرب کے مابین مکالمہ و مفاہمت کے امکانات معدوم ہوگئے ہیں:

......thus the polarity is deepened and the chance of dialogue between cultures postponed...... the anti-Islam compaigo virtually eliminates the possiblity of any sort of equal dialogue between Islam and the Arabs, and the West or Israel......Islamophobia...... I often think it has been more of a hindrance than a help in understanding what moves people and societies. Edward W. Said, *Covering Islam*, London: Vintage, 1997, Introduction, pp. xv, xxxv, lix.

116) The Encounter of Islam and the West, op. cit., p. 127.

117) *Islam at the Crossroads*, Last rev. edn. Gibralter: Dar-al-Andalus, 1982, p57,fn. 6.

۱۱۸) سید ابوالحسن علی ندوی، نئی دنیا (امریکہ) میں صاف صاف باتیں، کراچی: مجلس نشریات اسلام (س-ن)، ص ۶۱، نیز صفحات ۲۸-۲۹،۴۰،۴۲۔

۱۱۹) ایضاً ،ص ۴۷۔

۱۲۰) ایضاً ،ص ۶۲۔ مغرب میں دعوت اسلام کی ضرورت و اہمیت کے بارے میں سید ابوالحسن علی ندوی کے خیالات

کے بارے میں مزید دیکھئے: سید ابوالحسن علی ندوی، مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں، کراچی: مجلس نشریات اسلام، (س-ن)، صفحات ۴، ۷، ۱۷، ۱۸، ۴۳-۴۵۔

121) Murad W. Hofmann,"Review" [by Jeffery Lang] of *Struggling to Surrender*: *Some impressions of An American Convert to Islam, Islamic Studies*, 36:4 (1997): 682.

122) Gai Eaton, *Islam and the Destiny of Man*, Lahore: Suhail Academy. 1997, pp. 11-12.

۱۲۳) مراد ہوف مین، ''اسلام: مغرب کے اندیشے اور مسلم ردِعمل'' (مترجم: راشد بخاری) ، مغرب اور اسلام (اشاعت خاص، خطبات بیاد خرم مراد) ۴:۳:۴، (جولائی - دسمبر ۲۰۰۰ء)، صفحات ۴۶-۴۷۔ موصوف نے اپنے بعض دوسرے خطبات میں بھی ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا ہے، دیکھیے: مراد ہوف مین، مستقبل اسلام کے سائے میں (مترجم: ن-م)، نئی دہلی: مرکزی مکتبہ اسلامی، ۲۰۰۰ء، ص ۳۲۔

۱۲۴) مغرب میں ڈاکٹر محمد حمیداللہ کی دعوتی وتبلیغی خدمات کے جائزہ کے لئے ملاحظہ ہو: محمد ارشد، ''مغرب میں دعوت اسلام- ڈاکٹر محمد حمیداللہ کی کاوشوں کا ایک جائزہ''، فکر و نظر (اسلام آباد)، ۴۰، ۴۱:۴، (اپریل -ستمبر ۲۰۰۳ء)، صفحات ۳۲۹-۳۵۹۔

۱۲۵) اس تصنیف کی غرض و غایت کے بارے میں اسد رقم طراز ہیں:

......I began to think seriously about setting down the story of my life and thus helping, in however small a measure, to lift the heavy veil which separates Islam and its culture from the Occidental mind. My way to Islam had been in many respects unique:...... how many men were able to talk to Westerners about Islam as I could? I was a Muslim - but I was also of Western origin: and thus I could speak the intellectual languages of both Islam and the West". The Road to Mecca, p.8.

۱۲۶) محمد اسد نے ترجمہ و شرح بخاری کا بیڑا بھی اسی مقصد کے لیے اٹھایا کہ اس کے ذریعے سے جدید تعلیم مسلمانوں اور خصوصاً غیر مسلموں کو رسول اللہؐ کی تعلیمات کی تبلیغ کرسکیں گے۔ اسد رقم طراز ہیں:

A translation of Sahih al-Bukhari which is accepted by all Muslims as اصح الکتب بعد کتاب اللہ("the most authentic book after the Book of Allah") will, so I hope, open the eyes of many English educated Muslims who were never able to read traditions in their original form. It is curious that in all these years no-one thought of it before, and that it fell to the lot of a "new Muslim" to open a new: avenue of Tabligh among educated Muslims and non-Muslims," see: Muhammad Asad, Presidential Address - Given at 4th Annual Session of Jamieet [Sic, Jamiyyi'at], Tabligh Ahle Hadis, calcutta, Calcutta: Secretely

Jameet Tabligh Ahle Hadis (n.d.), pp.21-22.

127) Muhammad Asad, *The Principles of State and Government in Islam*, Gibraltar: Dar al-Andalus, 1980, Author's Note, p. vii

128) Muhammad Asad, *The Message of the Qur'an,* Gibraltar: Dar al-Andalus, 1980, Foreword, pp.ii-iv.

۱۲۹) ان کانفرنسوں میں پیش کئے گئے چند ایک خطبات ان کے مجموعہ مقالات This Law of Ours، صفحات ۱۶۹-۱۷۳،۱۸۳-۱۹۵، میں بھی شامل ہیں۔

۱۳۰) ۱۹۵۶ء میں جرمنی میں قیام کے دوران میں اسد نے Hannover ریڈیو سے تعارف اسلام کے ضمن میں ایک سلسلہ نشریات میں حصہ لیا۔ پروگرام کے انچارج احمد شیمان (Ahmad Heinrich Schiemann) کے بقول:

"Asad has also been with us at Hannover. We have togather made a couple of broadcasts on Islam with good success, and many people seem to have learned through us for the first time of the real contents of Islam".

احمد شیمان بنام محمد سلیم (لاہور)، محررہ ۲۸ جولائی ۱۹۵۶ء ، از Hannover- جرمنی۔ احمد شیمان نے اپنے ایک دوسرے خط میں لکھا:

"We have also made three mutual broadcasts - on Islam with Mr. Asad and it was very pleasant to hear him recite the Qur'an in Arabic and his explanation of Islam was very impressive".

احمد شیمان بنام محمد حسین بابری (لاہور)، محررہ ۲۶ دسمبر ۱۹۵۶، از Hannover-جرمنی۔

۱۳۱) سوئس ریڈیو سے ۵۹-۱۹۵۸ء میں نشر ہونے والی اسد کی دو تقریریں/گفتگوئیں The Encounter of Islam and the West اور Islam and the Spirit of Our Times کے عنوان سے ان کے مجموعہ مقالات و خطبات *This Law of Ours* میں شامل کی گئی ہیں۔ اسد کے یہ خطبات جرمن زبان میں تھے جو محمد اسد اور Hans Zbinden کی مرتبہ کتاب بزبان جرمن Islam Und Abendland (جنیوا ۱۹۶۰ء) میں بھی شامل ہیں۔ اسد نے ان دونوں خطبات کا خود انگریزی میں ترجمہ کیا جو ان کے مجموعہ مقالات و خطبات *This Law of Ours*، میں شامل ہیں۔

۱۳۲) محمد اسد بنام محمد حسین بابری محررہ ۲ دسمبر ۱۹۵۹ء از جنیوا۔

۱۳۳) سوئس ریڈیو سے نشر ہونے والے ان خطبات کے متن کے مطالعہ کے لیے ملاحظہ ہو:

Muhammad Asad, This Law of Ours and Other Essays, Gibraltar: Dar al-Andalus,1987, pp.119-135.

۱۳۴) معاہدہ عمرانی فرانسیسی مفکر روسو (م:۱۷۷۸ء) کی طرف منسوب ہے۔ اسد کے نزدیک یہ نظریہ بھی جبرواستحصال اور طبقاتی کشمکش سے پاک ایک عادلانہ و منصفانہ معاشرہ و ریاست کی تشکیل و قیام میں ناکام رہا ہے۔ چنانچہ انہوں

نے ایک نئے معاہدہ عمرانی جس کی اساس اسلام کے اصول و تصورات پر قائم و استوار ہو ، کو انسانیت کی فلاح ونجات کے لئے ضروری قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

Muhammad Asad, "The Legend of Social Contract", *Arafat*, 1:4 (Dec. 1946): 109-117

135) Muhammad Asad, "The Social Contract Islam", in *Arafat*, 1:4 (Dec. 1946), p117.

136) *The Road to Mecca*, p. 305

۱۳۷) سید سلیمان ندوی اور سید ابوالاعلیٰ مودودی کے محمد اسد کی دینی تشریحات کے بارے میں آراء کے لئے ملاحظہ ہو: سید سلیمان ندوی، شذرات، معارف (اعظم گڑھ)، ۳۴:۴ (اکتوبر ۱۹۳۴ء)، صفحات ۲۴۲-۲۴۳؛ سید ابوالاعلیٰ مودودی، ''انگریزی ترجمہ صحیح البخاری معہ شرح''، ترجمان القرآن ، ج ۱۰، عدد۴ (۱۳۵٦ھ)، صفحات ۳۱۵-۳۱٦۔

۱۳۸) مؤخر الذکر دونوں مسلم مفکرین نے بھی اسلام کو ایک مکمل نظریہ حیات کے طور پر پیش کیا ہے، دیگر مذاہب اور انسانوں کے خود تراشیدہ نظریہ ہائے حیات کے مقابلے میں اسلام کی فضیلت و تفوق کو واضح کیا ہے۔ ساتھ ہی ایک عادلانہ اور طبقاتی رقابت وکشمکش سے پاک معاشرہ کے قیام میں جدید نظاموں کی ناکامی بلکہ ان کی برپا کی ہوئی آفات کو نمایاں کیا ہے۔ سید مودودی اور سید قطب کے اسلوب تفہیم وتشریح دین کے بارے میں ملاحظہ ہو:

Seyyed Vali Reza Nasr, *Mawdudi and the Making of Islamic Revivalism*, New York: Oxford University Press, 1996, pp. 49-68, 107-125; Aref Ali Nayed, *The Radical Qur'anic Hermeneutics of Sayyid Qutb*, (Occasional Paper 15), Islamabad: Islamic Research Institute, 1994.

۱۳۹) محمد اسد کی علمی و فکری اور دعوتی سرگرمیوں کے اثرات کے جائزہ کے لیے ملاحظہ ہو:

Murad W. Hofmann, "Muhammad Asad: Europe's Gift to Islam, Islamic Studies, 39:2 (2000), pp. 236, 237,243.

140) Maryam Jameela, "Review" of "*Islam at the Crossroads*", *Muslim World Book Review*, 5:4 (1985), p. 41

مریم جمیلہ کے اسلام کی طرف سفر، ذہنی و فکری تشکیل میں کارفرما عوامل اور ان کی تصنیفی و تالیفی سرگرمیوں کے لئے ملاحظہ ہو:

Maryam Jameela, Islam and Modernism, Lahore: Muhammad Yusuf Khan, 1968, pp. vii-xiii; Raheela Sadiq, "Maryam Jameelah: Her Life and Service for Islam," Al-Adwa, xii-xiii, : 18-19 (2003): 25-32.

141) Murad W. Hofmann, *Diary of a German Muslim*, Koln: IB, Verlag Islamische Bibiliothek, 1987, pp.41-43, 50-53. 152-153

مراد ہوف مان نے اپنی اس ڈائری (روزنامچے) میں متعدد مقامات پر اسد سے اپنی ملاقاتوں، مختلف مسائل پر

تبادلہ خیالات ان سے محبت وعقیدت اور تأثر پذیری کا تذکرہ کیا ہے۔

۱۴۲) فاطمہ گریم، ''اسلام کے در پر لانے والے'' (مترجم: ن-م) ، ترجمان القرآن ۱۳۰:۱۰ (اکتوبر ۲۰۰۳ء)، ص ۴۷۔

143) Tazin Abdullah, "A Journey of My Own", http://www.newagebd.com/aug4tho3/270803/oped.html

144) Muhammad Asad, "It started with the Adhan", http://Islamonline.net/english/journey/jour44.shtml

145) Hofmann, *Diary of a German Muslim*, p. 50

۱۴۶) اسلام اور مغرب کے مابین رابطہ کی استواری و پل سازی کے سلسلہ میں محمد اسد کے کام کے جائزہ کے لئے ملاحظہ ہو:

Daniel Lindenberg, "Muhammad Asad: 20th Century Bridge between Orient and Occident", Paper Presented in the International Conference "Is the Dialogue between Cultures Possible?, December 11-13, 2003. Organized by Royal Academy of the Kingdom of Morocco, Rabat.

147) Hasan Zilur Rahim, "Muhammad Asad: Visionary Islamic Scholar", *Washington Report on Middle East Affairs*, September, 1995, pp. 45-46

148) See: Touqir Hussain,"Islam and the West: Distorting Realities", Daily *Dawn*, April, 25, 2004, April 26,2004.